التفسیر، مجلس تفسیر، کراچی جلد ۲، شمارہ ۸، اپریل ۲۰۱۱ تا ستمبر ۲۰۱۲ء

مولانا عبیداللہ سندھی

عبدالباقی

Though the Indian subcontinent has produced many renowned personalities who contributed immensely towards the preaching and establishing Islam in this region. However, Molana Obaidullah Sindhi has a distinction of embracing Islam in difficult times and later, despite his old age, on the orders of his Mentor 'Sheikh Al-Hind' travelled extensively to numerous countries just to spread the word of God and disseminate the ideology he truly believed in.
This article will shed some light on his life, struggle, devotion and obstacles that he faced during efforts to serve Islam. This historical personality has been expressed differently by various authors in their writings. Some have praised him whereas others have criticized.

This article is a conglomerate of many books and is aimed to bring the true aspects of his life based on objective research and historical facts so that a clearer and unbiased picture of this personality can be observed.

برصغیر پاک و ہند کی تاریخ لکھی جائے اور اس میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن کا نام نہ ہو تو وہ تاریخ نامکمل ہوگی۔ آپ نے سیاست، شریعت اور طریقت تینوں شعبوں میں امت کی رہنمائی کی۔ خصوصاً تحریک ریشمی رومال جیسی عظیم تحریک کی قیادت آپ کی شخصیت اور کردار کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ ان تمام کاموں میں آپ نے ایک تربیت یافتہ جماعت تشکیل دی، جن میں مفتی کفایت اللہ دھلوی، مولانا حسین احمد مدنی، مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی حضرت شاہ عبد القادر رائے پوری، مولانا انور شاہ کشمیری اور مولانا عبداللہ سندھی سرفہرست ہیں۔

خصوصاً حضرت سندھی کی ذات گرامی پر شیخ الہند کو جتنا اعتماد تھا وہ اپنی مثال آپ ہے اور مولانا سندھی نے تادم آخر اس نسبت کو خوب نبھایا۔ آپ نہ صرف شریعت کے متبحر عالم تھے بلکہ سیاسیات اور اقتصادیات میں اپنے وقت کے امام سمجھے جاتے تھے۔ ذیل میں مولانا سندھی کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں کو تاریخی حوالے سے اجاگر کرنے کی کوشش کریں گے۔

حالات زندگی:

اپنے حالات میں وہ لکھتے ہیں کہ میں شب جمعہ قبل صبح ۱۲ محرم الحرام ۱۲۸۹ھ بمطابق ۱۰ مارچ ۱۸۷۲ء کو سیالکوٹ کے ایک گاؤں "چیانوالی" میں ہوا۔ والد کی وفات ولادت سے چار ماہ قبل ہو چکی تھی۔ دو سال کے بعد دادا بھی انتقال کر گئے، تو میری والدہ مجھے ننھیال لے آئیں۔ یہ ایک خالص سکھ خاندان تھا، ہمارے خاندان کا اصلی پیشہ "زرگری" تھا لیکن عرصے سے ایک حصہ سرکاری ملازمت میں شامل ہوگیا اور بعض افراد **"ساہوکارہ"** بھی رہے۔(۱)

اصل نام بوٹا سنگھ ولد رام سنگھ ولد جسپت رائے ولد گلاب رائے ہے۔(۲)

مطالعۂ اسلام و اظہار اسلام:

۱۸۸۴ء میں ۱۲ سال کی عمر میں اپنے اسکول کے ایک آریہ سماج لڑکے کے ہاتھوں "تحفۃ الہند" نامی کتاب ملی، جس کے مطالعہ سے مجھ پر تدریجاً اسلام کی صداقت اور حقانیت بڑھتی گئی۔ چند اور ہندو دوست تھے جن کے توسط سے مجھے شاہ اسمٰعیل شہید کی "تقویۃ الایمان" ملی جن کے مطالعے نے رہی سہی کسر بھی پوری کر دی اور میں نے تحفۃ الہند کے مصنف کے نام پر اپنا نام "عبیداللہ" خود تجویز کیا۔

۱۵ اگست ۱۸۸۷ء کو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتے ہوئے اپنے ایک دوست کے ساتھ نکل پڑا اور مظفر گڑھ پہنچ کر میری **"سعت تغییر"** ہوئی۔ گھر والے تعاقب میں نکلے تو میں سندھ کی طرف نکلا اور وہاں سید العارفین حضرت حافظ محمد صدیق صاحب (بھوجھڈی والے) کی صحبت میں رہا، جس کا فائدہ یہ ہوا کہ اسلامی معاشرت میرے لئے اس طرح طبیعت ثانیہ بن گئی جس طرح ایک پیدائشی مسلمان کی ہوتی ہے۔

مجھے حضرت سید العارفین کی وہ بات ابھی تک یاد ہے جو انہوں نے میرے بارے میں فرمائی تھی کہ "عبیداللہ نے اللہ کیلئے ہم کو اپنا ماں باپ بنایا ہے"۔ ان الفاظ کی چاشنی بقول مولانا آج تک میرے دل میں محفوظ ہے۔

تین چار ماہ بعد جب حضرت سے اجازت چاہی تو دعا کی کہ خدا کرے عبیداللہ کا واسطہ کسی راسخ عالم سے پڑے، میرے خیال میں خدا نے یہ دعا قبول کی اور مجھے شیخ الہند کی خدمت میں پہنچا دیا۔ (۳)

ابتدائی تعلیم

بقول مولانا انہوں نے ابتدائی درسی کتابیں ہدایۃ النحو اور کافیہ وغیرہ حضرت سید العارفین کے خلیفہ **"مولانا ابو السراج غلام محمد"** سے پڑھیں۔ حضرت خلیفہ نے میری والدہ کو خط لکھا وہ آئیں مجھے لینے کیلئے مگر بحمداللہ میں ثابت قدم رہا (یہ غلط ہے کہ میری والدہ مجھے لینے دیوبند پہنچی تھیں)۔ (۴)

دار العلوم دیوبند آمد

مولانا سندھی صفر ۱۳۰۶ھ کو ۱۷ سال کی عمر میں دار العلوم دیوبند پہنچے اور پانچ مہینے تک قطبی، سلم العلوم، شرح جامی وغیرہ متفرق اساتذہ سے پڑھیں اور اساتذہ کی مہربانی سے مطالعہ کا طریقہ سیکھ لیا۔ ۱۳۰۷ھ کو مولانا شیخ الہند کے درس میں شامل ہو گئے اور ھدایہ، تلویح، مطول، شرح عقائد اور مسلم الثبوت میں امتحان دے کر امتیازی نمبروں سے پاس کیا۔ اور زمانہ طالب علمی ہی میں اصول فقہ کے موضوع پر ایک "رسالہ" لکھا جسے شیخ الہند نے پسند فرمایا۔ مولانا سندھی نے جامع ترمذی حضرت شیخ الہند سے پڑھی اور سنن ابی داؤد حضرت گنگوہیؒ سے پڑھنے کیلئے **"گنگوہ"** تشریف لے گئے۔

اللہ تعالیٰ نے مولانا کو غضب کا حافظہ دیا تھا۔ خود فرماتے ہیں کہ میں نے سنن نسائی اور ابن ماجہ چار چار دن میں پڑھی تھیں اور سراجی جو میراث کی مشہور کتاب ہے دو دن میں ختم کر دی۔ (۵)

افغانستان آمد و اسفار دیگر ممالک

دار العلوم دیوبند سے فراغت کے بعد مولانا سندھی **"دار الرشاد"** کوٹھ پیر جھنڈا میں تدریس پر معمور ہوئے۔ حضرت شیخ الہند ۱۹۰۹ء کو بغرض امتحان تشریف لائے اور مولانا کو رمضان میں دیوبند آنے کی تاکید کی۔ چنانچہ مولانا سندھی رمضان کے آخری عشرے میں دیوبند پہنچے، تو شیخ الہند کی ہدایت پر ۲۷ رمضان کو **"جمعیۃ الانصار"** کی داغ بیل ڈالدی جس نے تقریباً ۴ سال تک مسلمانوں کی سیاسی اور اجتماعی قوت کو منظم کرنا شروع کیا اور خطے کی آزادی کے لئے کام کیا۔

چونکہ مولانا سندھی پر حضرت شیخ الہند کو خاص اعتماد تھا اس لئے آپ ہی کے حکم سے مولانا سندھی نے اگست ۱۹۱۵ء بمطابق ۱۳۳۳ھ کو **"کابل، افغانستان"** کا سفر کیا اور سات سال تک افغانستان رہے جو آپ کے عالمی تجربات کا سبب بنا۔ افغانستان میں افغان جیسی کمزور سلطنت کو انگریزوں سے لڑایا۔ (۶)

مولانا ۱۹۲۳ء کو کابل سے روس (ماسکو) پہنچے اور سات مہینے تک قیام پذیر رہے اور مارکسی نظام کا قریب سے مشاہدہ کیا جس سے آپ کی سیاسی بصیرت میں نکھار آگیا۔ روسیوں پر

مولانا نے شاہ ولی اللہ کی معرکۃ الآرا کتاب **"حجۃ اللہ البالغہ"** پیش کی۔ روسی آپ کی آراء سے متفق ہوئے اور انہیں انگریزی میں شائع کیا اور آپ پر مکمل اعتماد کرتے ہوئے اپنی حکومت کے تمام راز تک بتا دیئے۔

اسکے بعد مولانا ۱۹۲۳ء ہی کو ماسکو سے ترکی (انقرہ) پہنچے۔ اس وقت تک خلافت عثمانیہ ختم ہو چکی تھی اور سلطنت عثمانیہ "اسلامی جمہوریہ ترکی" بن چکی تھی۔ یہاں سے معلومات اکٹھا کر کے اٹلی اور سوئیزرلینڈ سے ہوتے ہوئے مولانا "حجاز مقدس" پہنچے اور بارہ سال تک وہاں مقیم رہے۔ اس دوران اپنے تجربات، تاثرات اور مشاہدات پر یکسوئی سے غور کیا۔ اپنے افکار کو جانچا اور شاہ ولی اللہ کے حقیقی نقیب بن کر لوٹے۔(۷)

حجاز ہی میں قیام مکہ کے دوران مولانا نے اپنے شاگرد "مولانا موسیٰ جار اللہ" کو قرآن مجید کی چیدہ چیدہ سورتوں کی تفسیر املاء کرائی جو اردو میں "الہام الرحمٰن فی تفسیر القرآن" کے نام سے شائع ہو چکی ہے۔ (۸)

۲۴ سالہ جلاوطنی کا خاتمہ

۲۴ سالہ جلاوطنی کے بعد ۱۹۳۹ء کو جب مولانا حرم مکہ سے ہندوستان کیلئے تشریف لائے تو کراچی کے ساحل پر اہل وطن کے سامنے فکر انقلاب کی اہمیت کے حوالے سے جو تقریر کی اسکے چیدہ چیدہ نکات درج ذیل ہیں، فرمایا:

محض خاندان اور وطن کی محبت مجھے کھینچ کر یہاں نہیں لائی اور نہ آرام پسندی اور سہل کوشی میرا مقصد ہے۔ میری ۲۴ سالہ جلاوطنی نے بہت کچھ سوچنے، سمجھنے اور پرکھنے پر مجبور کر دیا۔ یہ عرصہ فقط سیر و سیاحت میں نہیں گذرا بلکہ بڑی بڑی مہمات میں مجھے بنفس نفیس شرکت کا موقع ملا، جن میں وقت کے بڑے بڑے سلاطین اسلام، بادشاہ، سپہ سالاران اور مذہبی قیادت شریک ہوئے۔ میں نے حالات اور تاریخ کو گہری نگاہ سے دیکھا اس لئے میری باتوں کو تم وقتی تاثرات اور عارضی ہیجانات کا نتیجہ نہ سمجھنا بلکہ یہ میری ۲۴ سالہ جلاوطنی کا نچوڑ ہیں اور میرے دل کے نالے ہیں۔ (۹)

مزید فرمایا کہ میں ایک عالمگیر انقلاب کے سیلاب کو اپنی آنکھوں سے اُمڈتا دیکھ کر آیا

ہوں۔ انقلاب کے اس سیلاب نے کئی ملکوں کو اپنی لپیٹ میں لیا ہے اور جو بچے ہوئے ہیں وہ عنقریب اس سیلاب کے ریلے سے زیادہ دیر محفوظ نہیں رہ سکیں گے۔ دنیا عنقریب ایک نئے طوفان سے دوچار ہوا چاہتی ہے۔ بادل گھر چکے ہیں گھٹائیں برسنے کو ہیں طوفان اٹھنے اب زیادہ دیر نہیں لگے گی لیکن تمہیں نہ تو ان طوفانوں کی خبر ہے اور نہ تم یہ جانتے ہو کہ اگر طوفان بپھر نکلا تو تمہارا کیا حشر ہوگا۔

تمہارے سیاستدان بڑی بڑی اسکیمیں بنا رہے ہیں لیکن ان کی نظریں بھی خاص طبقوں سے آگے نہیں بڑھتیں، وہ بھی ایک مخصوص طبقے کو نوازنے کی فکر میں ہیں، وہ اگرچہ قوم، وطن، کلچر یا مذہب کا نام لیتے ہیں لیکن انکا اطلاق ایک خاص طبقے کے اغراض و مصالح پر ہوتا ہے۔

تمہارے علماء کی نظریں محض پہلے کی لکھی ہوئی کتابوں میں پھنس کر رہ گئی ہیں اور وہ اپنے گرد و پیش کو دیکھنے کی زحمت گوارا نہیں کرتے، اس لئے جو علوم وہ پڑھتے یا پڑھاتے ہیں ان علوم میں اس بنا پر نہ تو خود زندگی کی رمق باقی ہے اور نہ وہ علوم پڑھنے یا پڑھانے والوں میں زندگی کی حرارت یا تڑپ پیدا کر سکتے ہیں۔

فرمایا: میں یورپ کے ایک بڑے حصے میں انقلاب دیکھ کر آیا ہوں جس نے اس سرزمین کی کایا پلٹ کے رکھ دی ہے لیکن یہ انقلاب محض یورپ تک محدود نہیں رہے گا بلکہ ساری انسانیت کو ایک نہ ایک دن اپنی لپیٹ میں لے لے گا۔

فرمایا: کہ انسانیت کی ایک بڑی تعداد کو ایک مخصوص گروہ نے دبائے رکھا، کسان اور مزدور کماتے اور مخصوص گروہ کھاتا یعنی جو کماتے تھے ان کو کھانے کو نہیں ملتا تھا اور جو کھا رہے تھے ان کو کمانے کی فکر نہیں تھے۔

نتیجہ یہ نکلا کہ کماؤ طبقہ ذلیل و پسماندہ ہوتا گیا اور کھاؤ طبقہ دولت اور اقتدار کے نشے میں انسانی اخلاقیت سے گر گیا۔ غضب یہ ہے کہ اس دور میں علم، مذہب اور لٹریچر کے جو معیار بنے ان کے پیش نظر بھی بس اسی مخصوص گروہ کی خوشنودی رہی، لیکن ظلم تا دیر قائم نہیں رہتا۔ اللہ تعالیٰ کی غیرت کو جوش آیا، اس نے نسل انسانی کو توفیق بخشی کہ وہ مشین ایجاد کرے۔ اس مشین

سے صنعت وحرفت کا دور شروع ہوا اور یہ مشین مزدوروں کے ہاتھوں ایک بے پناہ قوت کا ذریعہ بن گئی۔ یہ مزدور آہستہ آہستہ متحد اور منظم ہو گئے اور مخصوص طبقات کو للکارنے لگے کہ اٹھو غاصبوں سے اپنا حق چھینو اور ظالموں کو نیست و نابود کرو۔

اس انقلاب کے فلسفہ' انکار خدا نے اگرچہ ان کے فلسفہ کو زنگ آلود کیا لیکن ان کی کوشش ہے کہ ساری خلق خدا بلا کسی رنگ ونسل یا ملک و مذہب کی تمیز کے آزادی، مساوات اور اقتصادی خوشحالی کی نعمتوں سے یکساں فیضیاب ہو، لہٰذا اگر تم نے بھی تباہ حال اور محنت کش طبقوں کی خبر نہ لی تو انقلاب کا یہ لادینی فلسفہ تمہارے گھروں تک بھی دستک دے گا اور ساتھ ساتھ تمہارے علم، مذہب اور کلچر کی بھی خیر نہیں ہوگی۔ اگر یہ فلسفہ پسماندہ انسانوں کو دعوت دے رہا ہے تو تم ساری انسانیت کو ایک خدا کی مخلوق ماننے والے فکر کی دعوت کیوں نہیں دیتے؟

ہندوستان آمد

جونہی مولانا ہندوستان کے ساحل پر اترے تو عوام کے جم غفیر نے مولانا کا فقید المثال استقبال کیا۔ قوم کو مولانا سے اور مولانا کو قوم سے بہت سی امیدیں وابستہ تھیں۔ دارالعلوم دیوبند اور جامعہ ملیہ کے طلباء ان سے والہانہ عقیدت کا اظہار کرنے لگے لیکن مولانا کے ۲۴ سالہ مطالعہ اور تدبر نے ان کے اور قوم کے عام ذہن وفکر کے درمیان ایک بہت بڑی خلیج پیدا کر دی تھی اور جوں جوں مولانا اپنے عقائد ونظریات کا اظہار کرتے گئے عقیدت مندوں نے مولانا سے دوری ہی میں عافیت سمجھی اور اس وقت کی سیاسی جماعتوں کانگریس، مسلم لیگ، جمعیۃ علماء ہند اور احرار نے مولانا کی خدمات سے اپنی جماعت کو الگ رکھنا مناسب سمجھا۔

جذباتی فیصلہ

مولانا پہلی فرصت ہی میں اس نظام کو توڑنے کے قائل تھے جو ان کے بقول ملک وملت اور مذہب کے مستقبل کے لئے مفید نہیں تھا، اس لئے عجلت اور بے صبری میں مولانا کے افکار ونظریات نے ان کے دیرینہ وابستگان کو بھی ان سے دور کر دیا۔ مثلاً اکبر کے دین الٰہی کی تاویل، ہیٹ اور نیکر کا استعمال، رومن رسم الخط کا پرچار، اشتراکی نظریے کی تعریف اور فوجی بھرتی کی موافقت وہ ایشوز تھے جن کی بناء پر مولانا حسین احمد مدنیؒ جیسے مخلص دوست کو یہاں تک کہنا

پڑا کہ مولانا کے افکار میں بے ترتیبی پیدا ہو گئی ہے اور ان کی طرف منسوب افکار صرف اس وقت تک قابل قبول ہیں جب اصول دین سے انکی مطابقت مسلم ہو جائے۔

وفات

ہندوستان میں مولانا نے اپنے آخری پانچ سال سخت جد وجہد اور کسمپرسی کی حالت میں گذارے۔ بالآخر وہ بیمار ہو گئے اور اس یگانۂ روزگار ہستی نے ۲۱ اگست ۱۹۴۴ء کو بمقام دین پور اپنی جان جان آفرین کے سپرد کی۔

تصانیف

مولانا کے طالب علمی کے زمانے کی لکھی گئی تصانیف ناپید ہیں، لیکن ہندوستان کے اس آخری قیام میں انہوں نے "شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک، شاہ ولی اللہ اور ان کا فلسفہ، ایک اور کتاب محمودیہ" ان کی وفات کے بعد شائع ہوئی۔ ان کے علاوہ شعور و آگہی تفسیر الہام الرحمٰن، قرآنی شعور انقلاب، کتاب التمہید شائع ہو گئی۔

علاوہ ازیں ان کے شاگرد رشید پروفیسر محمد سرور نے ان کے خطابات "خطبات سندھی" کے نام سے شائع کئے ہیں اور مفتی عبدالخالق آزاد، مولانا عبداللہ لغاری، مولانا موسیٰ جار اللہ، اور دیگر بالواسطہ یا بلاواسطہ شاگردوں نے مولانا سندھی کی حیات، ان کے افکار ونظریات، اور اسفار کے حوالے سے سینکڑوں کتابیں شائع کی ہیں۔ ابھی حال ہی میں سید محمد احمد صاحب نے اپنا "پی ایچ ڈی" کا مقالہ مولانا عبیداللہ سندھی کی حیات، افکار اور عمل کے نام سے شائع کیا۔

عقیدہ اور مذہب کو ماننے کے حوالے سے دنیا میں عموماً دو قسم کے لوگ پائے جاتے ہیں۔ پہلی قسم ان لوگوں کی ہے جو راسخ العقیدہ لوگوں کے گھر جنم لیتے ہیں اور ایک دینی سوسائٹی میں پروان چڑھتے چڑھتے اپنے ایمان کو بچانے میں لگے رہتے ہیں۔ جبکہ دوسری قسم ان لوگوں کی ہے جن کی پیدائش غیر مسلم گھرانے میں ہوتی ہے لیکن وہ اپنی بلند نظری، وسعت فکر اور عقل وفراست کو قابل استعمال بنا کر صراط مستقیم کو اپنا لیتے ہیں اور خوش قسمتی سے ان کی قوت نظری کیساتھ ساتھ ان کی عملی قوت بھی تندرست وتوانا ہو جاتی ہے اور وہ اس حدیث مبارکہ کے

مصداق بن جاتے ہیں:

خِيَارُكُمْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ خِيَارُكُمْ فِي الْإِسْلَامِ

جو تم میں سے جاہلیت میں سب سے بہتر ہے وہ اسلام میں بھی سب سے بہتر ہے۔

مولانا عبیداللہ سندھی کی شخصیت بھی اسی دوسرے گروہ سے تعلق رکھتی ہے۔

افکار ونظریات

مولانا کے افکار کو جاننے سے قبل یہ بات ذہن نشین رکھنی چاہئے کہ وہ پیدائشی مسلمان نہیں تھے۔ ایک سکھ گھرانے سے تعلق تھا۔ مالی پوزیشن بھی مستحکم تھی، اس کے باوجود تلاش حق کیلئے سرگرداں رہے اور جب حق کو پالیا تو بانگ دہل اعلان کرنے میں اپنی بوڑھی ماں تک کا خیال نہیں رکھا اور پورے خاندان کو چھوڑ کر دینی علوم کے حصول کیلئے اپنے وطن تک کو خیرباد کہا۔ (۱۰)

پروفیسر محمد سرور اپنی کتاب "مولانا عبیداللہ سندھی کے حالات، تعلیمات اور سیاسی افکار" میں لکھتے ہیں کہ جب شیخ الہند نے مجھے اسلام سکھایا اور ان کے واسطے سے میں نے شاہ ولی اللہ کی تعلیمات کو سمجھا تو مجھ پر قرآن مجید کے حقائق منکشف ہوئے اور میں دین اسلام کی حکمت سے آگاہ ہوا۔ اب اگر میں موجودہ مذہبی افکار کے خلاف کوئی بات کہتا ہوں تو اسے یہ سمجھنا کہ میں مذہب کے خلاف ہوں کس قدر غلط بات ہے۔ میں نے دنیا کی عزیز ترین متاع یعنی اپنی والدہ کی محبت پر مذہب کو مقدم جانا اور آج عمر بھر کے مصائب اور تکالیف کے باوجود بھی مجھے اپنے مسلمان ہونے پر فخر ہے۔ بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ آج جبکہ مجھے اپنی زندگی کا آخری کنارہ نظر آرہا ہے کوئی ایسی بات کہوں جس سے خدا نہ کرے اسلام کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو۔ (۱۱)

مولانا سندھی نے اپنے فکر وفلسفہ کی بنیاد تین چیزیں قرار دی ہیں۔ (۱) حضرت شاہ ولی اللہ کا فکر وفلسفہ جسکو مولانا نے اپنی فکر وعمل کا محور ومرکز بنایا۔ (۲) دارالعلوم دیوبند کی تعلیم وتربیت جسے مولانا نے اپنی قلبی قوتوں کا منبع بنالیا۔ (۳) یورپ کی نشاۃ ثانیہ کی تاریخ کا گہرا مطالعہ مولانا نے اسے اقوام کیلئے مستقبل کی نوید فکر بنا ڈالا۔

عموماً علماء کرام مولانا کی فکر کے حوالے سے دو حصوں میں بٹ گئے۔ کچھ مولانا کے قبل از اسفار کی باتوں کو یقین کامل سے مانتے ہیں اور بعد از اسفار اقوال کو انکے تفردات میں شمار کرتے ہیں، لیکن بندۂ ناچیز کے نزدیک صحیح بات وہی ہے جس کو حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری نے اپنی ایک مجلس میں بیان فرمایا اور جس کو مولانا "عبداللہ صاحب آف بھکر والے نے (ارشادات رائے پوری) کے نام سے کتابی شکل میں شائع کیا" فرماتے ہیں کہ میں نے شیخ الہند کی زبانی خود سنا ہے کہ حضرت شاہ انور شاہ کشمیری اور مولوی عبیداللہ دونوں میں بہت استعداد ہے۔ مولوی عبیداللہ دہلی جارہے ہیں میں نے ان سے کہا کہ وہاں کوئی ایسی بات نہ کرنا جس کو عام طور پر لوگ نہ سمجھ سکیں اور شور ہو کیونکہ تمہاری باتوں کو میں سمجھتا ہوں اور کوئی نہیں سمجھتا۔ (۱۲)

اب جس کے بارے میں حضرت شیخ الہند نیک گمانی کریں ما وشما کس شمار میں؟ اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ عوام الناس مولانا سندھی کو نہ سمجھ سکے بقول کسے: آنکھیں اگر ہوں بند تو پھر دن بھی رات ہے، اس میں بھلا قصور کیا ہے آفتاب کا۔

اس سلسلے میں قول فیصل مولانا سعید احمد اکبر آبادی کی وہ تحریر ہے جو انہوں نے مولانا کے بارے میں لکھی، فرماتے ہیں کہ مولانا سندھی پر تبصرا کرنے اور ان کی شخصیت پر انگلیاں اٹھانے والوں کو سوچنا چاہئے کہ اگر مولانا اسلام کی حقانیت کے واضح ہونے کے بعد اسلام کو اپنا سکتے ہیں تو مغرب کی وارفتگی اور اس کی صحبت بھی مولانا سے خلق اسلام چھڑا سکتی تھی لیکن مولانا آخر دم تک قرآن وسنت، حجۃ اللہ البالغہ، شاہ ولی اللہ کے افکار اور حضرت شیخ الہند کے فلسفہ پر عمل پیرا رہے۔ (یہی وجہ ہے کہ اپنی زندگی کے آخری ایام میں نماز، روزہ کی پابندی، قرآن مجید کی تلاوت حتی کہ اپنی ظاہری وضع قطع اور عالمانہ روش تک کو نہ بدلا)۔

ان کے نظریات سے آپ اختلاف کر سکتے ہیں لیکن ان کے افکار میں کہیں بھی آپ کو ہیگل، مارکس، لینن، میکسم گورکی یا مالنشائی کا حوالہ نہیں ملے گا اور آپ کو ماننا پڑے گا کہ مولانا نے اپنے افکار کی بنیاد غلط یا صحیح مغرب کے کسی فلسفی کی آراء پر نہیں رکھی، بلکہ ان کا اصل منبع وسرچشمہ وہی ہے جو ایک مسلمان کا ہونا چاہئے۔ (۱۳)

مولانا سندھی اور ان کا دینی فلسفہ

دین اسلام کے حوالے سے مولانا کے خیالات کا خلاصہ یہ ہے کہ اسلام دراصل مذاہب عالم کی تاریخ کی آخری کڑی ہے، جس نے تمام ادیان کے بنیادی اصولوں کو ایک کتاب میں منضبط کر دیا ہے۔ مولانا کے نزدیک ہر مذہب اپنے زمانے کیلئے ایک انقلاب کا پیغام لایا اور اس مذہب کے نبی کی ذات گرامی اس انقلاب کی حامل بنی۔ اسلام بھی دنیا میں ایک انقلاب کا پیغام لایا لیکن جس طرح اسلام پہلے کے تمام ادیان کا نقطۂ کمال ہے اور اسلام کی کتاب تمام الہامی کتابوں کی مصدق ہے اور انکی بنیادی تعلیمات کی جامع ہے، اسی طرح اسلام کا انقلاب بھی تمام انسانیت کیلئے عام ہے اور وہ اپنے مقصد میں عالمگیر اور بین الاقوامی ہے۔ اسلام کو بین الاقوامی انقلاب کا نقیب ماننے کا عملاً یہ نتیجہ ہے کہ ہر ایک قوم اسلام کے انقلابی اصولوں پر اپنے قومی وجود کی تشکیل کر سکتی ہے۔

دوسرے لفظوں میں اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی جمعیت (نظریہ، فکر) اگر اسلامی اصولوں کی حامل ہو تو وہ اسلام کی عالمگیریت کی ضد نہیں ہے بلکہ اسلام کی عالمگیریت دراصل مجموعہ ہے مختلف اسلامی قومی جمعیتوں کا جو اپنی اپنی جگہ مستقل حیثیتوں کی مالک ہوں گی۔

بے شک اسلام تو وطن اور ملک کی حدود سے بالاتر ہے لیکن ایک قوم اپنے قومی وجود کو برقرار رکھتے ہوئے اسلام کو اپنا سکتی ہے۔ (۱۴)

مولانا سندھی کی کتابوں کے مطالعے سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ مولانا پکے قوم پرست (Nationalist) تھے لیکن انکی یہ قومیت لسانیت اور مذہبیت تک محدود نہیں تھی بلکہ وہ حقیقی معنوں میں ملکی اور بین الاقوامی سطح پر قومیت کے قائل تھے۔

مولانا کے نزدیک وطن خاک و آب و باد کا نام نہیں اور نہ وطن جامد زمین کے معنی میں آتا ہے بلکہ وطن ایک نوپذیر وجود ہے مثلاً مملکت ہندوستان کو لیجئے کبھی آریائی آئے، کبھی کوتم بدھ اور ان کے پیروؤں کی حکمرانی ہوتی تھی تو کبھی مسلمان تقریباً ایک ہزار سال تک حکمرانی کرتے ہیں اور آجکل ہندوؤں کی حکمرانی ہے۔ یہی وہ عالمگیر سوچ و فکر ہے جس کا ذکر مولانا کی کتابوں سے مترشح ہوتا ہے۔

مولانا نے مدارس کے نصاب خصوصاً دارالعلوم دیوبند کے نصاب کے حوالہ سے فرمایا کہ یہ نقطۂ استعداد پیدا کرتا ہے تحقیق نہیں سکھاتا۔ صرف صحاح ستہ کا درس علم حدیث کا وہ خصوصی درس ہے جس سے متوسط درجے کی علمی لیاقت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس کے علاوہ باقی کتابیں کسی خاص علم کی تحقیق نہیں سکھاتیں۔

مزید فرمایا کہ یورپ کی سائنس "عربی" میں سکھلانا کوئی بڑا کمال نہیں۔ ہندوستانیوں کیلئے آسانی اسی میں ہے کہ جب تک اردو اتنی ترقی نہیں کرتی کہ تمام علوم عصریہ کیلئے ذریعۂ تعلیم بن سکے اس وقت تک انگریزی پڑھ کر سائنس کا مطالعہ کرنا چاہئے۔ (۱۵)

صوبہ بنگال میں جمعیۃ علماء کی جانب سے منعقدہ اپنے خطبۂ صدارت میں فرمایا کہ سندھی زبان کو رومن حروف میں لکھا جائے۔ اس سے ٹائپ رائٹر سے استفادہ کا جلدی موقع ملے گا اور یورپ کے لوگ ہماری زبان آسانی سے سیکھ سکیں گے۔ سندھی اپنے وطن کا بنایا ہوا کپڑا پہنے گا مگر وہ کوٹ و پتلون کی شکل میں ہوگا، یا کالر دار قمیص اور نیکر کی صورت میں۔ مسلمان اپنے نیکر کو گھٹنے سے نیچے تک استعمال کر سکتا ہے۔ ہیٹ دونوں صورتوں میں بے تکلف استعمال کرے گا، ہم نے افغانستان میں دیکھا کہ اعلیٰ حضرت امیر حبیب اللہ خان نے جب سپاہیوں کو بوٹ سمیت نماز پڑھنے کا حکم دیا تھا تو اس سے وہاں کے عوام مسجد کے دروازوں پر بوٹ صاف کر کے مسجد میں نماز پڑھتے تھے۔ سندھی عوام اس پر عمل کریں۔ (۱۶)

مولانا سندھی نے جون ۱۹۴۱ء میں صوبہ مدراس کے مقام کمباکونم میں اینٹی سپریشن (Anti Separation) کانفرنس میں خطبۂ صدارت کے دوران اپنے بنیادی افکار ونظریات کے حوالے سے ایک تفصیلی خطاب کیا۔ اس کے چیدہ چیدہ نکات درج ذیل ہیں:

(۱) جب ہندوستان کے لوگ اپنی حکومت چلاتے ہیں اور اس کو "اسلامی" نہیں کہتے تو ان کے اس دانش مندانہ فیصلہ کی قدر کرو اور ہندوستان کے کسی حصے کو پاکستان کہنا چھوڑ دو۔

(۲) دہلی کا رہنے والا کوئی مسلمان اگر گنگا جمنا کے "دوآبہ" کو اپنا کہے تو سچا ہے یہی حال ایک مدراسی، بمبئی میں رہنے والے مسلمان کا ہے لیکن کوئی عقلمند یہ فیصلہ نہیں کر سکتا کہ

دہلی، بمبئی اور مدراس کے اپنانے میں اس ایک مسلمان کے سوا کوئی اور شریک نہیں۔ اس طرح کی باتیں کوئی ناصح یا اس کا فرمارواکہہ سکتا ہے کہ "چہ رم سلطان بود"۔

(۳) اگر کوئی ہندوستانی مسلمان (عالم ہو یا سیاسی لیڈر) آپ سے کہے کہ ہند کے جس قطعے میں ہماری فعال اکثریت ہے کیوں نہ ہم وہاں اپنا شاہی نظام جاری کرنے کی کوشش کریں، اس سے ہمارا کلچر بھی محفوظ ہوگا اور اسلام کی خدمت بھی ہو سکے گی، مثلاً صوبہ سرحد، سندھ اور پنجاب کے بعض حصوں کو ملا کر ایک حکومت بنا لیں۔۔۔۔ ان کے نزدیک اس اسلامی حکومت کے قیام سے اقلیت والے صوبوں میں رہنے والا مسلمان بھی غیر مسلموں کے اسلام کش جذبہ کی خونخواری سے محفوظ ہو جائے گا اور ممکن ہے کہ ہند میں اسلامی تاریخ اپنے آپ کو دھرانے لگے۔ میں کہوں گا کہ آپ ایسی اسکیمیں بنانے والوں کی کوئی بات نہ سنیں اور اسے "مشت بعد از حنکام جنگ" کہہ کر ٹال دیں۔

(۴) آپ جب نیشنل کانگریس میں جانے کا عزم کرلیں تو ہمارا مشورہ آپکے لئے یہ ہوگا کہ آپ کانگریس کے اندر اپنی ایک مستقل پارٹی بنا لیں، نہ تو گاندھی جی کی پارٹی کے پیچھے چل کر کوئی مسلمان کامیاب ہوسکتا ہے اور نہ وہ سوشلسٹوں میں رہ کر وہ مسلمان عوام میں اپنی تحریک با آسانی چلا سکتا ہے، اس کے ساتھ ساتھ ہم نوجوانوں کو وصیت کرتے ہیں کہ اپنے ہم مسلک نیشنلسٹ (مسلم، غیر مسلم ہندوستانیوں) کو اپنی پارٹی میں جمع کرتا رہے۔

(۵) یہ پارٹی آگے بڑھ کر برطانوی حکومت سے "ڈومینین اسٹیٹس Domanian Status" حاصل کرے۔

(۶) یورپ کی مختلف اقوام میں سے جس قدر نیک انسان ہماری ملکی ترقی کی امداد کیلئے ہمارے ملک میں آنا چاہیں ہم انہیں اپنے اختیار سے داخلہ کی اجازت دے سکیں گے۔(۱۷)

مولانا سندھی اور سوشلزم

مولانا چونکہ اشتراکیت (Socialism) کو ایک بین الاقوامی تحریک مانتے تھے اس لئے اکثر مخالفین بصورت پروپیگنڈہ مولانا پر "سوشلسٹ" ہونے کا الزام لگاتے تھے لیکن مولانا

نے اس الزام کو تجاہل توجہ نہیں سمجھا اور فرمایا کہ "ایک ہے روسی اشتراکیت کا عمومی پہلو اور ایک ہے اس کا قومی پہلو اور ان میں کوئی بنیادی تناقض نہیں ہے"۔

مولانا کمیونسٹ نہیں تھے لیکن ان کے منہ سے کبھی کمیونزم کی مخالفت نہیں سنی گئی۔ اس معاملے میں ان کا سیاسی مسلک جسے آج "قومی جمہوری" کہا جاتا ہے کم وبیش وہی تھا، خود مولانا فرماتے ہیں "یہ مشینی دور اب کسی کے روکے نہیں رک سکتا۔ روس میں مشین پر کام کرنے والے کاریگروں اور مزدوروں نے خود اپنی حکومت بنالی ہے"۔(۱۸)

مزید برآں جن لوگوں نے مولانا پر کمیونسٹوں کے حامی ہونے کا الزام لگایا انہوں نے اس دور کے حالات کا عمیق نظری سے مطالعہ نہیں کیا ہوگا۔ کچھ وجوہات کی بناپر تحریک ریشمی رومال کی ناکامی، اس تحریک کے کم وبیش سب ارکان کا جیلوں کی سلاخوں کے پیچھے جانا اور تنہا تنہا مولانا سندھی کا جیل سے باہر رہنا ان حالات میں ایک موقع شناس اور مدبر سیاستدان کیلئے فطری راستہ یہی ہے کہ وہ انگریزوں کے نئے عالمی حریف "کمیونسٹ روس" کے ساتھ سلسلۂ جنبانی کرے اور جس طرح اس کے استاد حضرت شیخ الہند نے انگریزوں اور جرمنوں کی کشمکش سے فائدہ اٹھایا، بعینہٖ مولانا نے بھی انگریزوں اور روسیوں کی کشمکش سے فائدہ اٹھانے کی راہ نکالی۔ اس مقصد کیلئے وہ ماسکو گئے، لیڈروں سے ملاقاتیں کیں، کمیونسٹ انقلاب کا مطالعہ کیا اور مغربی سرمایہ داری (Western Capitalism) اور کمیونزم کی کشمکش میں روسی انقلاب کے بعض پہلوؤں پر کلمۂ خیر بھی کہا۔

اس پس منظر سے یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ مولانا پر اشتراکیت سے متاثر ہونے کا الزام دھرا جاتا۔(۱۹)

ستم بالائے ستم یہ ہے کہ نادان دوستوں اور بے رحم ناقدوں میں سے کسی نے بھی خود مولانا سے ان کا موقف اور پوزیشن سمجھنے کی زحمت گوارا نہ کی جو اپنی جلاوطنی کے اختتام پر ہندوستان واپسی سے چند ماہ قبل اپنی خودنوشت میں یہ تحریر فرماتے ہیں کہ:

۱۹۴۲ء میں ترکی جانا ہوا۔ سات مہینے ماسکو میں رہا، سوشلزم کا مطالعہ اپنے نوجوان رفیقوں کی مدد سے کرتا رہا۔ چونکہ نیشنل کانگریس سے تعلق سرکاری طور پر ثابت ہو چکا تھا اسلئے

سوویت روس نے اپنا معزز مہمان بنایا اور مطالعہ کیلئے ہر قسم کی سہولت بہم پہنچائیں (یہ غلط ہے کہ میں لینن سے ملا کامریڈ لینن اس وقت بیمار تھا اور اپنے دوستوں کو بھی نہیں پہچانتا تھا)۔ میرے اس مطالعے کا نتیجہ یہ ہے کہ میں اپنی مذہبی تحریک کو جو امام ولی اللہ کے فلسفے کی ایک شاخ ہے اس زمانے کے لادینی اثرات سے محفوظ کرنے کی تدابیر سوچنے میں کامیاب ہوا۔ (۲۰)

مولانا سندھی اور تفسیر قرآن

چونکہ قرآن مجید ایک عظیم انقلابی کتاب ہے جو انسانی نفسیات کے نشیب و فراز کو ملحوظ رکھتے ہوئے انہیں "صراط مستقیم" کی تلقین کرتا ہے، اس لئے صدیاں گذرنے کے باوجود وہ اپنی اصلی حالت میں موجود ہے اور انسانیت کے گھمبیر اور پیچیدہ مسائل کے حل کیلئے انہیں مؤثر اور قابل عمل دعوت دے رہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید کی تعبیر و تشریح ہر دور میں مفسرین کرام اپنے شعور و بصیرت اور معروضی حالات کے تناظر میں کرتے ہیں لیکن جب دنیا صنعتی و سماجی انقلاب سے دو چار ہوئی تو اس کے تقاضے یکسر مختلف ہو گئے۔

ان حالات میں برصغیر کی خوش قسمتی ہے کہ انہیں شاہ ولی اللہ کی صورت میں وہ نبض شناس عصر، عظیم مفسر، محدث اور فقیہ ملتا ہے جو نہ صرف بنیادی اسلامی علوم کا احاطہ کئے ہوئے ہوتا ہے بلکہ وہ مسلم معاشرے کے مد و جزر کا بھی دور رس نگاہوں سے جائزہ لیتا ہے اور پھر نئے دور کے تقاضوں کو محسوس کر کے انقلابی و ارتقائی مراحل کی نشاندہی کرتا ہے۔ بعد ازاں مولانا شاہ ولی اللہ کے علوم و معارف کی ترجمانی کی سعادت امام انقلاب مولانا سندھی کو نصیب ہوتی ہے جنہوں نے اپنے اساتذہ خصوصاً حضرت شیخ الہند سے علم و حکمت کی وہ گہری وابستگی حاصل کر لی کہ دنیا کے بڑے بڑے انقلابات تک اس کو متزلزل نہ کر سکے۔ (۲۱)

مولانا کا انداز تفسیر یقیناً دیگر مفسرین سے مختلف ہے لیکن یہ اختلاف کسی بنیادی اسلامی عقیدہ یا ابتدائی موقف سے انحراف پر مبنی حقیقی اختلاف نہیں بلکہ یہ اختلاف مسائل کے ادراک اور ان کے حل کیلئے روح عصر تک رسائی کا اختلاف ہے۔

مولانا کی تفسیر کے مطالعے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ان کا روئے سخن مغرب کے سماجی و عملی چنگل میں گرفتار نوجوان ہے، وہ اس میں ملی خودی اور قومی حمیت بیدار کرنے کے

خواہاں ہیں۔ ان کا مقصد کسی طور پر اپنے سے پہلے موجود مفسرین کی کاوشوں کی نفی نہیں ہے بلکہ وہ اکثر و بیشتر اپنی اجتہادی رائے تک کو ماضی کے معتبر و مستند مفسرین کی تائید کے بغیر پیش کرنے سے احتیاط برتتے ہیں۔ وہ خود کہتے ہیں قرآنی معارف و مطالب میں مجھے شاہ ولی اللہ کے علاوہ کسی اور حکیم کے افکار سے مدد لینے کی ضرورت نہیں پڑی۔ میں نے قرآن سے جو اخذ کیا ہے اور جو بھی معانی مضامین قرآن سے استنباط کئے ہیں مجھے اس کی تعیین و تائید کے لئے شاہ صاحب کی حکمت سے باہر جانے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ قرآن مجید کی کسی آیت کی تفسیر میں جہاں کہیں میں نے عام مفسرین سے اختلاف کیا ہے وہاں میں نے شاہ صاحب کے اصول کو اپنے لئے سند مانا۔ بعض ایسے مواقع ہیں جہاں میں نے شاہ عبدالعزیز، شاہ رفیع الدین، مولانا شاہ اسمٰعیل شہید اور مولانا قاسم نانوتوی کے اقوال کو حجت مانا ہے اور شاذ و نادر ہی ایسا ہوا ہے کہ میں نے محض اپنی فکر و رائے کی بنا پر دوسرے مفسرین سے اختلاف کیا ہو۔ جہاں کہیں اس طرح کی کوئی بات ہے میں ایسے موقع پر صراحتاً بتا دیتا ہوں کہ یہ میری سوچی ہوئی بات ہے سننے والوں کو اختیار ہے کہ وہ اسے قبول کریں یا رد کریں مگر جن چیزوں میں ائمہ یا اساتذہ کی سند موجود ہو تو میرا جی چاہتا ہے کہ اہل علم اس کے قبول کرنے میں انکار نہ کریں۔ (۲۲)

مولانا سندھی کے اس فکری تفسیری اصول کو غور سے پڑھئے اور اندازہ کیجئے کہ مولانا تفسیر قرآن کیلئے ان پانچ بزرگوں کے اصول و اقوال کو حجت اور اقتدائی تسلیم کر رہے ہیں اور برملا طور پر اعلان کر رہے ہیں کہ میں نے شاذ و نادر ہی ان بزرگوں کے اصول و اقوال سے ہٹ کر اپنی شخصی تحقیق کو اپنایا ہے اور اگر کہیں ایسا ہوا ہے تو قاری کو اسکے قبول یا رد کرنے کا پورا اختیار ہے۔ اب ہم دوسری طرف دیکھتے ہیں کہ مولانا کی طرف منسوب الہامی تفسیر "القام المحمود" اور تفسیر "الہام الرحمٰن" میں جا بجا ان افکار کا ذکر ہے جو صراحتاً درج بالا حضرات کے اصولوں کے خلاف ہیں، مثلاً کفار کیلئے سزائے اخروی سے انکار، کفار کے لئے عذاب دائمی کا انکار، بنی اسرائیل کے بندر بننے کے واقعہ کا انکار، معجزات احیاء موتی کا انکار، اور حضرت آدم کیلئے سن بچپن تا جوانی کا اثبات، یہ وہ نظریات ہیں جو سراسر جمہور اہل سنت اور اکابرین دیوبند کے ابتدائی مسلک کے خلاف ہیں۔

اب دو ہی صورتیں ممکن ہیں، یا تو ان نظریات کو سن وعن مولانا سندھی کی جانب منسوب کیا جائے یا جو نظریات و افکار ان کی جانب منسوب ہیں انہیں غلط قرار دے کر رد کیا جائے؟

پہلی صورت اختیار کرنے میں مولانا کے اس فکری تفسیری اصول کو غلط ماننا پڑے گا اور دوسری صورت اختیار کرنے میں چونکہ دونوں تفاسیر املائی ہیں اس لئے یا تو ان غلط افکار کو املائی غلطی تسلیم کریں یا انہی دو حضرات (مولانا عبداللہ لغاری، علامہ جار اللہ) کے فکری نظریات مان کر مولانا سندھی کو ان افکار سے بری الذمہ قرار دیا جائے۔ (۲۳)

میرے ناقص خیال میں یہی دوسری صورت بہتر اور قرین عقل و قیاس ہے۔

مولانا سندھی اور لفظ انقلاب

چونکہ مولانا انقلابی تھے اور صحیح معنوں میں سچے انقلابی تھے اس لئے مولانا نے لفظ "انقلاب" کو اپنی زندگی کا اوڑھنا بچھونا بنا رکھا تھا۔ وہ جانتے تھے کہ انقلاب ایک فرسودہ نظام کو ختم کر کے اس کی جگہ ایک بہتر اور مفید نظام لانے کا نام ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ پرانے نظام کی تخریب اگر آسان بھی ہو لیکن نئے نظام کی تعمیر اور اس نظام کو چلانے والوں کی تربیت میں ایک عرصہ لگتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ مولانا نے جب اپنے شاگردوں کے سامنے قرآن مجید کی مختلف صورتوں کی تشریح کی تو ان کو مختلف انقلابی عنوانات سے معنون کر دیا، مثلاً سورۂ فاتحہ کی تفسیر و تشریح کرتے ہوئے اسے "قرآنی اساس انقلاب" کا نام دیا، سورۂ محمد کو "قرآنی جنگی انقلاب" اور سورۂ مجادلہ کو "قرآنی حزب انقلاب" قرار دیا، سورۃ الحشر کو "قرآنی اقدام انقلاب"، جبکہ سورۃ الممتحنہ کو "قرآنی قانون انقلاب" کہہ دیا، سورۃ المنافقون کا نام "قرآنی ضبط انقلاب"، جبکہ سورۃ المزمل اور سورۃ المدثر کو "قرآنی دستور انقلاب" کے نام سے معنون کیا۔ اسی طرح سورۃ العصر کی تشریح "قرآنی اصول انقلاب" سے کی، جبکہ سورۃ الجمعہ کو "قرآنی حکمت انقلاب" کے نام سے موسوم کیا اور قرآن مجید کی آخری دو سورتوں سورۃ الفلق اور سورۃ الناس کو "قرآنی فکر انقلاب" کہہ کر جلا بخشی۔

مولانا سندھی اور عقیدہ انتظار مہدی و مسیح

یہ بات ہر ذی شعور مسلمان کے علم میں ہے کہ متواتر قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا محفوظ کلام اور متواتر سنت رسول اس کی بہترین شرح ہے۔ باقی وہ باتیں جو قرآنی متواتر کی نص صریح نہ ہوں یا متواتر سنت سے ثابت نہ ہوں ان میں اہل علم کا اختلاف برداشت کیا جا سکتا ہے۔ دلائل کی بنیاد پر کسی فریق کو غلطی پر کہا جا سکتا ہے مگر انہیں گمراہ یا کافر کہنا بہت بڑی جسارت ہو گی۔

یہ اصول اتنا سہل اور واضح ہے کہ اسے ماننے یا سمجھنے میں کسی قسم کی دشواری نہیں ہونی چاہئے، لیکن بعض لوگ اپنی انتہا پسندی کی وجہ سے اتنی سی بات بھی ماننے کیلئے تیار نہیں، حالانکہ تاریخ پر نظر رکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک طرف عیسیٰوں کی ایمانیات میں "نظریۂ امامت" کی رو سے امام مہدی کو ماننا لازمی ہے جبکہ دوسری طرف قادیانیت کی ایمانیات میں "نزول مسیح" پر ایمان لانا شرط ہے۔

اب مسلمانوں کی ایمانیات میں تو مہدی و مسیح کا سرے سے تذکرہ ہی نہیں ہے اور یہ مسئلہ ابتدائی دور سے متنازعہ چلا آرہا ہے، بعض اس کو عقیدے کے طور پر مانتے ہیں اور بعض نہیں۔

برصغیر پاک و ہند میں بھی علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے ایک کتاب "التصریح بما تواتر فی نزول المسیح" لکھ کر نزول مسیح کی روایات کو متواتر ثابت کرنے کی کوشش کی، جبکہ اس کے برعکس "مدرسہ فرنگی محل لکھنؤ" کے مشہور عالم مولانا محمد شفیع نے تنقید کی اور نزول مسیح کی روایات کو متواتر ماننے سے انکار کر دیا۔

اس کے علاوہ علامہ شبلی نعمانی، مولانا حمید الدین فراہی، سید سلیمان ندوی، مولانا امین احسن اصلاحی وغیرہ بھی مہدی و مسیح کی روایات کو متواتر نہیں سمجھتے اور نہ کہ مسیح و مہدی کی آمد کو عقائد میں شمار کرتے ہیں۔

اب رہ گئی بات مولانا سندھی اور ان کی دیگر ہم عصر دو اہم شخصیات علامہ اقبال اور مولانا ابو الکلام آزاد کی، تو یہ تینوں حضرات بھی مہدی و مسیح کی آمد کے متعلق روایات کو

متواتر ماننے کے قائل نہیں لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع الی السماء کے منکر ہیں یا دونوں حضرات کی آمد کے منکر ہیں۔ اگر بالفرض حضرت مسیح علیہ السلام یا مخصوص مہدی کی آمد کے بھی منکر ہوں تو پھر بھی ان کے نزدیک یہ اجماعی مسئلہ نہیں ہے اور تواتر سے ثابت بھی نہیں ہے اس لئے ان کے دلائل سے اختلاف تو کیا جاسکتا ہے حتی کہ انہیں غلطی پر بھی کہا جاسکتا ہے لیکن یہ بات انصاف کے خلاف ہے کہ انہیں گمراہ اور کافر قرار دیا جائے۔ **(۲۴)**

مولانا سندھی نے ایک رسالہ بنام "عقیدہ انتظار مہدی و مسیح" لکھا اور اس کی ابتدا میں لکھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دوبارہ آنے کے مسئلے میں ہماری رائے یہ ہے کہ اگر وہ آگئے تو اچھا نہیں تو اس سے کوئی مصیبت نہیں آئے گی، ہم اس کو عقیدہ بنانے کے مخالف ہیں۔ اس بارے میں کوئی صحیح حدیث ہماری نظر سے نہیں گذری اور جتنی احادیث اس بارے میں وارد ہوئی ہیں سب کی سب معلل ہیں۔ **(۲۵)**

مولانا سندھی علمائے کرام کی نظر میں

عالم اسلام کے عظیم مفکر اور ندوۃ العلماء کے سرپرست اعلیٰ مولانا ابو الحسن علی ندوی لکھتے ہیں کہ مولانا سندھی ان غیر معمولی لوگوں میں سے ہیں جو کبھی کبھی پیدا ہوتے ہیں، وہ مضبوط ارادے کے مالک اور نہایت بلند خیال تھے، خطروں کی پرواہ نہیں کرتے تھے، کردار کے اعتبار سے بہت بلند اور ذہانت کے اعتبار سے بے مثل تھے، ان کے طریقے پر بہت سے علماء نے فائدہ اٹھایا جن میں مولانا احمد علی لاہوری بہت مشہور ہیں۔ **(۲۶)**

جماعت اسلامی کے بانی مولانا ابو الاعلیٰ مودودی اپنے تاثرات کا اظہار اس طرح کرتے ہیں کہ مولانا سندھی جیسا صاحب فراست آدمی میں نے کم دیکھا ہے، ان کے علم وفضل میں کوئی شبہ نہیں، ایسے وسیع النظر عالم اب کہاں؟ مولانا سندھی مرحوم جن کی وفات زمانۂ حال کا ایک قومی سانحہ ہے ان لوگوں میں سے تھے جو اپنے مقصد اور تخیل کے پیچھے اپنا پورا سرمایۂ زندگی لگا دیتے تھے، اس وجہ سے وہ لوگ بھی ان کے احترام پر مجبور ہیں جو ان کے خیالات سے اتفاق نہیں رکھتے۔ **(۲۷)**

سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں کہ قرآن مجید کے علوم میں سب سے زیادہ دقیق اور نازک علم آیات اور سور کے باہم ربط کا ہے امام رازی اور بقاعی نے اس پر بہت کچھ محنت کی ہے، اور دوسرے علماء نے بھی اس پر کافی غور وخوض کیا ہے۔ ہمارے زمانے میں مولانا حمید الدین فراہی اور مولانا عبیداللہ سندھی قابل ذکر ہیں۔

مولانا سندھیؒ اور اور مولانا کشمیریؒ دونوں حضرت شیخ الہند کے شاگرد ہیں لیکن کچھ وجوہات کی بناپر ان کی آپس میں رنجش ہوگئی۔ بعد میں علامہ کشمیری کو بہت افسوس ہوا اور مولانا حسین احمد مدنیؒ نے اپنی سوانح حیات "نقش حیات" میں اس کا اظہار یوں کیا:

حضرت مولانا انور شاہ صاحب نے مولانا سندھی کے نام مکہ معظمہ کے قیام کے زمانے میں پیغام بھیجا کہ قیام دیوبند کے زمانے میں غلط فہمی کی وجہ سے میں آپ کے لئے تکلیف کا باعث بنا تھا اب میرے دل میں آپ کے لئے کوئی رنجش نہیں، امید ہے کہ آپ بھی معاف فرمائیں گے۔ **(۲۸)**

حاصل کلام: مولانا سندھی ہمہ جہت شخصیت کے مالک تھے، اگرچہ وہ اپنے دور میں کافی متنازعہ رہے۔ پوری زندگی تالیف میں گزاری لیکن اس کے باوجود وہ آخر وقت تک نوجوانوں میں انقلاب کے حوالے سے ذہنی بیداری پیدا کرتے رہے اور بعد از وفات ان کے افکار ونظریات اسلام کی نشاۃ ثانیہ کیلئے امت کیلئے امید کی کرن ثابت ہوسکتے ہیں۔

حوالہ جات

(۱) مولانا عبیداللہ سندھی کی سرگذشت کابل صفحہ ۵ سن اشاعت ۱۹۹۸ دارالکتاب لاہور۔

(۲) مولانا عبیداللہ سندھی حیات، افکار، عمل صفحہ ۱۷ مصنف سید محمد اکبر ۲۰۰۶ تخلیقات لاہور۔

(۳) مولانا سندھی کی سرگذشت کابل صفحہ ۶ سن اشاعت ۱۹۹۸ دارالکتاب لاہور۔

(۴) ایضا صفحہ ۷۔

(۵) ایضا صفحہ ۸۔

(۶) (مقدمہ) الہام الرحمن فی تفسیر القرآن صفحہ ۳ مرتب مولانا موسیٰ جاراللہ مکتبہ اوراق لاہور سن اشاعت

۲۰۱۰ء۔

(۷) ایضاً صفحہ ۴۰۔

(۸) مولانا موسیٰ جار اللہ روسی اور عالم اسلام کے ایک بہت بڑے عالم گذرے ہیں۔ ۱۹۱۳ء تک ان کی اڑھائی سو کے قریب تصانیف قاہرہ سے شائع ہو چکی تھیں (مقدمہ الہام الرحمٰن صفحہ ۴)۔

(۹) مقالہ نمبر ۲ دینی فکر کی اساس پر انقلاب کی اہمیت بحوالہ خطبات و مقالات مولانا سندھی مرتب مفتی عبدالخالق آزاد صفحہ ۲۲۳، ۲۳۲۔

(۱۰) خطبات و مقالات مولانا عبیداللہ سندھی صفحہ ۳۵ دار التحقیق لاہور۔

(۱۱) مولانا عبیداللہ سندھی حالات، تعلیمات، سیاسی افکار، پروفیسر محمد سرور صفحہ ۳ سن اشاعت ۲۰۰۲ء۔

(۱۲) ارشادات حضرت رائے پوری صفحہ ۲۹۰۔

(۱۳) مولانا سندھی اور ان کے ناقد مولانا سعید احمد اکبر آبادی سابق استاد علی گڑھ یونیورسٹی صفحہ ۲۵۔

(۱۴) خطبات و مقالات مولانا عبیداللہ سندھی صفحہ ۴۲، ۴۷ سن اشاعت ۲۰۰۲ مفتی عبدالخالق آزاد۔

(۱۵) ایضاً صفحہ ۲۲۳، ۲۲۲۔

(۱۶) ایضاً صفحہ ۲۵۸، ۲۵۹ خطبہ صدارت جمعیۃ علماء صوبہ بنگال منعقدہ ۱۹۳۹ء۔

(۱۷) خطبات و مقالات سندھی مفتی عبدالخالق آزاد صفحہ ۳۴۲ تا ۳۴۳۔

(۱۸) پروفیسر محمد سرور کتاب مولانا عبیداللہ سندھی حالات، تعلیمات اور سیاسی افکار اشاعت پنجم صفحہ ۱۱۔

(۱۹) کیا مولانا سندھی اشتراکیت سے متاثر ہو گئے تھے؟ علامہ زاہد الراشدی مقدمہ بحوالہ مولانا عبیداللہ سندھی اور تنظیم فکر ولی اللٰہی صفحہ ۲۱، ۲۲ حافظ عبدالحق خان بشیر نقشبندی۔

(۲۰) خطبات و مقالات صفحہ ۲۲۴، ۲۲۵ بحوالہ میری زندگی مولانا سندھی صفحہ ۱۲ بحوالہ قرآنی شعور انقلاب مقدمہ صفحہ ۴۳ مفتی عبدالخالق آزاد۔

(۲۱) قرآنی شعور انقلاب "حرف خیال" صفحہ ۳۵، ۳۶ ڈاکٹر مفتی سعید الرحمٰن شعبہ علوم اسلامیہ زکریا یونیورسٹی۔

(۲۲) شاہ ولی اللہ اور ان کا فلسفہ صفحہ ۸۶ مولانا عبیداللہ سندھی دار الکتاب۔

(۲۳) مولانا سندھی اور تنظیم ولی اللٰہی حافظ عبدالحق بشیر نقشبندی حق چار یار اکیڈمی گجرات۔

(۲۴) قرآن کریم و سنت متواترہ اور مہدی و مسیح کا مسئلہ تلبیس صفحہ ۷ تا ۱۷۔

(۲۵) رسالہ عقیدہ و انکار مہدی و مسیح بحوالہ بالا صفحہ ۵۳ قرآن کریم و سنت متواترہ ـــــ

(۲۶) زبدۃ الخواطر صفحہ ۲۰۸ جلد ۸ بحوالہ بالا صفحہ ۲۵ قرآن کریم و سنت متواترہ ـــــ

(۲۷) تقدیم از مفتی حامد صفحہ ۲۵ محولہ بالا (الرحمٰن پبلشنگ ٹرسٹ ناظم آباد کراچی)۔

(۲۸) نقش حیات جلد دوم صفحہ ۱۴۴ مصنف مولانا حسین احمد مدنی۔

التفسیر — مولانا عبیداللہ سندھی

التفسیر، مجلس تفسیر، کراچی جلد ۲، شمارہ ۱۸، ۱۹ اپریل تا ستمبر ۲۰۱۲ء

مولانا عبد الرؤف دانا پوری بطور سیرت نگار

(بحوالہ اصح السیر)

ڈاکٹر محمد ادریس لودھی

Maulana Abdur Rauf Dana puri was hailed as one of the distinctive and well-known Seerah writer of Indo-Pak Sub Continent of his times. His book titled "Asah -ul-Sear" ranked as outstanding in the cluster of seerah books. His book comprised of authentic sources and the accurate narration of various incidents of seerah . The author has paid special attention in description of Ghazwas of prophet of Islam. He has also tried to give appropriate status in integration of narration and contents. In his book, Maulana Dana Puri has analyzed the information related to narration and contents in the light of logic and rationality. He also deduced the principle of jurisprudence from the event s of seerah. Instead of

embroiling in discourse of submitting rejoinder in connection with objections raised by orientalists, his supreme focus was on the collection and analysis of seerah data in well researched and integrated manner. This seerah book comprised of such attributes which has been unprecedented in the history of seerah writing of sub continent. Moreover, Mualana Abdur Rauf has also described the incidents of seerah with exact dates of their happenings; it may be termed as the dominating feature of his book. The last but not the least, the author has assembled all the information pertaining to early life as well as pre and post Nabbvi era of Hazrat Muhammad (SAW)

خطہ ہند تاریخ میں مختلف نسلوں تہذیبوں اور مذاہب کا مرکز رہا ہے یہاں پہنچنے والا آخری قافلہ اسلامی تہذیب کا تھا یہ تہذیب صنم خانہ ہند کے تیرہ و تاریک ماحول میں مینارۂ نور تھی اس سرزمین میں ایسی معتبر و متبحر شخصیات پیدا ہوئیں کہ جن سے ہزاروں دریاؤں نے روانی سیکھی۔ ان نابغہ ہائے ہند میں مولانا ابو البرکات حکیم عبد الروف داناپوری کی شخصیت علم وفضل، زہد وتقویٰ اور خصوصاً سیرت نگاری کے حوالے سے نہایت مکرم و محترم تھی۔ آپ کی شخصیت کی تعمیر و تشکیل میں خاندان کے دینی ماحول اور اس کے محرکات و موثرات کا اہم دخل تھا۔ آپ کی تبحر علمی بصیرت اور ژرف نگاہی پر اصح السیر کا ہر صفحہ گواہ ہے۔ مولانا داناپوری صاحب برصغیر کے نامور سیرت نگار تھے۔ آپ کا تعلق صوبہ بہار کے شہر داناپور سے تھا جو پٹنہ کے قریب ہے اسی علاقائی مناسبت سے آپ داناپوری کے نام سے مشہور ہوئے۔ (1)

۱۔ولادت، حصول علم اور صفات و کمالات

مولانا داناپوری پٹنہ میں 1873ء میں پیدا ہوئے والد صاحب کا نام عبدالقادر تھا جو

بڑے فاضل انسان تھے۔ مولانا عبدالرؤف نے دانا پور، آگرہ اور لکھنؤ سے تعلیم حاصل کی۔ آپ نہایت ماہر طبیب اور معالج بھی تھے کلکتہ کی انجمن اطباء کے صدر تھے(2)۔ سادہ مزاج متواضع اور خلیق انسان تھے گویا آپ مسلمانوں کے روحانی اور جسمانی طبیب تھے۔

آپ خوش بیان خطیب ومقرر بھی تھے آپ کے اکثر خطبات امت مسلمہ کے زوال کے اسباب احیاء امت کے تیج اور برطانوی سامراج کے خلاف اعلائے کلمۃ الحق پر مشتمل ہوتے تھے اپنی حق گوئی اور بے باکی کی بدولت 1916ء میں گرفتار ہوئے(3)۔ آپ جید اور عظیم حنفی عالم اور مؤرخ تھے۔ بقول مولانا شاہ معین الدین ندوی تقویٰ میں مولانا دانا پوری صاحب کا معتدل اسلوب تھا فقہی اقوال کی تحقیق وتشریح کرتے اور مستند روایات سے استدلال کرتے تھے۔(4)

مولانا نے دور غلامی میں ہوش سنبھالا برطانوی سامراج اور مکار ہندو ل کرمسلمانوں کا ہر میدان میں استحصال کر رہے تھے مسلمان دونوں سے آزادی کے لئے برسرپیکار تھے آپ جیسے ذہین، حساس، دردمند اور صاحب ایمان شخص کے لئے ممکن نہ تھا کہ وہ تحریک آزادی سے الگ ہو سکے چنانچہ آپ نے تحریک آزادی میں بھی اپنا کردار ادا کیا مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا عبدالباری ندوی نے ہندوستان سے ہجرت کا فتویٰ جاری کیا تو مولانا دانا پوری نے اس کی حمایت کی اور ہندوستان کو دارالحرب قرار دیا (5)اس دور میں آپ کا یہ عمل افضل الجهاد كلمة الحق عند سلطان جائر (6) کی حدیث کے عین مطابق تھا۔ انہیں دینی علوم پر بڑی مہارت حاصل تھی۔ وہ قدیم وجدید علوم کا مرقع تھے اور ان میں تطبیق کی قدرت رکھتے تھے، 1912میں الہلال کی ادارت میں شرکت کے موقع پر سید سلیمان ندوی سے ملاقات ہوئی اور ان سے بہت متاثر ہوئے۔

II۔ اختلاف رائے کا احترام اور وفات

مذہبی مسائل اور معاملات میں آپ ہمیشہ اختلاف رائے کا احترام کرتے بڑے غیر متعصب اور ذہنی وسعت کے مالک تھے۔ سید سلیمان ندوی نے اُن کے اس فتویٰ سے اختلاف کیا کہ جس عورت کا خاوند ظلم کرے اور نفقہ نہ دے تو اس کی خلاصی کی کوئی سبیل نہیں۔ مولانا

ندوی نے معارف کے پہلے شمارہ میں زوجہ غیر معلق علیہا کے عنوان سے مولانا دانا پوری کی رائے سے اختلاف ظاہر کیا تو مولانا دانا پوری نے فرمایا کہ یہ مضمون ایک پڑھے لکھے شخص کا ہے (7)۔ مولانا کا تعلق جمعیت علمائے کلکتہ سے بھی رہا اور جمعیت علمائے ہند کے بعض جلسوں کی صدارت بھی کی لیکن آخر میں مسلم لیگ میں شامل ہو گئے۔ بنگال کی اسلامی سیاست پر بہت اثر انداز تھے۔ جامعہ ملیہ دہلی میں اسلام کے سیاسی معاشی نظام پر بڑا بصیرت افروز خطبہ دیا۔ سید سلیمان ندوی کے مطابق مولانا دانا پوری کا سیاسی تدبر بہت اعلیٰ تھا۔ ان کی سب سے اہم تصنیف ندوی صاحب کے نزدیک اصح السیر ہے۔ مزاج میں تواضع اور انکساری تھی۔ قوت سماعت کمزور تھی۔ حلقہ صحبت بہت وسیع تھا۔ 19فروری 1948ء جمعرات صبح 8بجے کے قریب علالت کا آغاز ہوا۔ اُسی رات 1بجے کلکتہ کی چونا گلی میں انتقال فرمایا(8)۔ مرحوم کی وفات سے کلکتہ کی سرزمین علم وعرفان کے نور سے محروم ہو گئی۔

III۔ برصغیر میں سیرت نگاری اور اصح السیر

برصغیر میں آغاز اسلام سے لے کر ایک طویل عرصہ تک سیرت پر کوئی قابل قدر کام نہیں ہوا یہاں کی علمی روایات ایک طویل عرصہ تک عقلیات اور لفظیات کے گرد گھومتی رہی ہیں لیکن ماضی کی دو صدیوں میں برصغیر کے اہل علم نے اس ساری کمی کو پورا کر دیا اور اس کوتاہی کی مکمل تلافی کر دی جو ابتدائی ایک ہزار سال میں ہوئی تھی۔ انیسویں صدی کے وسط سے مطالعہ سیرت کی جو غیر معمولی سرگرمی برصغیر میں دیکھنے میں آئی اس کی مثالیں دنیائے اسلام میں کم ملتی ہیں۔ (9)

عبدالرؤف دانا پوری برصغیر کے نہایت معتبر اور محقق سیرت نگار تھے۔ انہوں نے اصح السیر کے نام سے 656صفحات پر سیرت کی نہایت جامع اور تحقیق شدہ کتاب لکھی۔ یہ کتاب پہلی مرتبہ 1932ء میں شائع ہوئی۔ ان کا خیال یہ تھا کہ مستشرقین جو یہ اعتراض کرتے ہیں کہ سیرت کے مآخذ غیر مستند یا غیر معتبر ہیں، اس اعتراض سے نپٹنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ جو مستند ترین مآخذ ہیں، یعنی قرآن پاک اور حدیث، ان سے کام لے کر مستشرقین کے الزامات کا جواب دینے کی کوشش کی جائے۔ لیکن شاید ان کے ذہن میں یہ بات نہیں آئی کہ مستشرقین کا

کام محض اعتراض کرنا ہے۔ اعتراض کے جواب سے انہیں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ آپ ایک اعتراض کا جواب دیں گے وہ دس مزید اعتراض کردیں گے۔ آپ دس کا جواب دے دیں گے وہ بیس اعتراض اور کردیں گے۔(10)

مولانا عبدالرؤف ابوالبرکات داناپوری نے محسوس کیا کہ مغازی کے باب میں مستشرقین نے بہت سے اعتراضات کئے ہیں۔ اس لئے انہوں نے مغازی پر خاص توجہ دی اور اردو میں سیرت پر عام طور پر جتنی کتابیں ہیں ان کے مقابلہ میں مغازی پر بہت اچھی بحث اس کتاب میں ہے۔ مغازی پر اتنی جامع بحث اردو میں بہت کم کتابوں میں ملتی ہے جتنی مولانا داناپوری نے کی ہے۔ پھر مغازی سے جو سبق نکلتے ہیں یعنی تعلیمات سیرت پر بھی بہت اچھا مواد فراہم کیا ہے۔ کتاب میں تعلیمات پر بہت مستند مواد دیا ہے اور حدیث کی مستندترین کتابوں اور شرحوں سے یہ سارا مواد لیا ہے۔ دوسری چیز یہ کہ وہ کلامی مسائل سے بھی بحث کرنا چاہتے تھے، یعنی نبوت معجزات، معراج پر مستشرقین کے جو اعتراضات ہیں اس کا جواب دینا چاہتے تھے۔ لیکن کتاب کی دوسری جلد لکھنے کا ان کو موقع نہیں ملا۔ ہم تک ایک ہی جلد پہنچی ہے اور وہ بہت مستند اور انتہائی معتبر کتاب ہے۔ حکیم عبدالرؤف داناپوری کو سیرت رسول ﷺ کے بنیادی منابع تک رسائی حاصل تھی اور قدرت نے انہیں ایک فقہی مزاج عطا کیا تھا اور علوم اسلامی تک براہ راست دسترس رکھتے تھے اس پر ان کی کتاب بہترین گواہ ہے اور نتائج کے صحیح استنباط کی صلاحیت کی وجہ سے "اصح السیر" اردو کتب سیرت میں ایک نمایاں اور ممتاز مقام کی حامل ہے۔ (11) مصنف کا یہ دعویٰ بڑی حد تک صحیح ہے کہ "اہل علم اس کتاب میں کتاب المغازی کو جامع، مکمل اور بہترین ترتیب پر پائیں گے" شبلی کی "سیرۃ النبی ﷺ" سے قطع نظر کسی اور اردو کتاب میں غزوات کی اتنی تفصیلات نہیں ملتیں جتنی "اصح السیر" میں پائی جاتی ہیں۔

اصح السیر کی خصوصیات

1۔ کتاب کا مربوط علمی و تحقیقی مقدمہ اور مباحث

ابتدائی چوالیس صفحات پر کتاب کا نہایت ہی شاندار مقدمہ لکھا اس میں مصنف نے

سیرت کے اولین منابع، قرآن و سنت سے ابتدا کی ہے اور پھر تدوین حدیث کی تاریخی سبق کا ذکر کرتے ہوئے فن سیرۃ اور فن حدیث کے تعلق پر بحث کی ہے۔ پھر چند صفحات میں تدوین سیرت کی مختصر تاریخ بیان کی گئی ہے اور بعد ازاں درایت اور عقل کی بحث کی۔ قدیم عرب کی تاریخ اور جغرافیہ کا مختصر تذکرہ کرنے کے بعد آنحضرت ﷺ کا حسب نسب، پیدائش، یتیمی، رضاعت، شام کے سفر حضرت خدیجہؓ سے عقد، بعثت، نزول، وحی، سابقین اولین مسلمانوں کو تعذیب، دعوت دین، کفار کے مظالم، ہجرت حبشہ، حضرت حمزہؓ اور حضرت عمرؓ کا قبول اسلام، قریش کا مقاطعہ، عام الحزن، سفر طائف، معراج، ہجرت مدینہ، تحویل قبلہ، مواخاۃ، جہاد و قتال، مغازی و سرایا، فتح مکہ، جنگ حنین، موتہ اور تبوک وغیرہ واقعات، سلسلہ وار بیان کیے گئے ہیں۔ اس کے بعد "کتاب الاموال" کے عنوان سے رسول اللہ ﷺ کے مالی انتظامات کا بیان ہے جن میں پہلے زکوٰۃ غنائم و فے اور پھر جزیہ ہدایا و تحائف اموال مجبورہ اور عشر و خراج کے مباحث ہیں۔ اس کے بعد حضور ﷺ کے قاصدوں، بادشاہوں کے نام خطوط اور مدینہ میں آنے والے وفود کا ذکر ہے۔ غزوات کے بعد وفود کے بیان میں بڑی شرح و بسط سے کام لیا گیا ہے اور حجۃ الوداع کی تفصیلات فراہم کرنے میں بھی خاص محنت کی گئی ہے۔ یہیں بعض متنازعہ فیہ مسائل (غدیر خم کا خطبہ اور مسئلہ امامت) کی بحث بھی ہے۔ پھر سریہ اسامہ بن زیدؓ، آنحضرت ﷺ کی وفات اور تجہیز و تکفین کے حالات ہیں (ضمناً واقعہ قرطاس اور حضرت ابوبکرؓ کے بارے میں روافض کے شبہات کا تذکرہ بھی کیا ہے) پھر آنحضرت ﷺ کے متروکات (رقم، زمین، مکانات)، لباس، سواری کے جانوروں، مویشیوں، اسلحہ، موالی (زن و مرد)، خدام، مؤذنین، ازواج مطہرات اور کنیزوں کی تفصیلات ہیں۔(12)

2۔ درایت و عقل کا موازنہ اور شبلی پر نقد

مولانا عبدالرؤف داناپوریؒ فرماتے ہیں کہ مولانا شبلیؒ سے تسامح یہ ہوا ہے کہ وہ درایت اور عقل کو ایک چیز سمجھتے ہیں۔ اور درایت کو اسناد پر ترجیح دیتے ہیں۔ یہ دونوں باتیں غلط ہیں اور کسی محدث کا یہ مسلک نہیں ہے۔ بلکہ صریح البطلان ہے۔ درایت کے معنی عقل نہیں ہے علم اور تجربہ کے بعد جو ملکہ حاصل ہوتا ہے اس کو درایت کہتے ہیں محدثین کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص

کو رسول اللہ ﷺ کی سیرۃ سے پوری واقفیت ہو اور اس بارہ میں جتنی روایات صحیح ہیں وہ اس کے پیش نظر ہوں ۔ رسول اللہ ﷺ کے وقت کے واقعات اور حالات پر عبور رکھتا ہو ایسے شخص کو ایک طرح کی معرفت اور بصیرت حاصل ہو جائے گی ۔اسی کو درایت کہتے ہیں ۔ایسے شخص کے سامنے جب کوئی روایت آئے گی اور اس کی سند نہ معلوم ہو تو وہ اپنی اسی بصیرت کی بنا پر کہہ سکے گا کہ یہ حدیث رسول اللہ ﷺ کی ہو سکتی ہے یا نہیں ۔(13)

آپ پیش لفظ میں لکھتے ہیں ''اردو میں سیرت پر اب تک بہتر کتاب صرف ایک ہی لکھی گئی ہے، یعنی مولانا شبلی کی سیرت النبی ﷺ، مگر انہوں نے مغازی پر جو کچھ لکھا ہے، بادل ناخواستہ !اس میں جو کچھ خامیاں ہیں اہل علم سے مخفی نہیں ہیں ۔خصوصاً غزوۂ بدر کے حالات میں تو انہوں نے عجیب وغریب جدت کی ہے۔ تمام واقعات کو پلٹ دیا ہے۔ تمام روایات صحیحہ کو ترک کر دیا ہے۔قرآن پاک کے مطالب ایسے لیے ہیں اوراس سے وہ باتیں پیدا کی ہیں جو اب تک کسی نے نہ کی تھیں۔مولانا کی نیت خراب نہ تھی۔ واقعات میں الٹ پھیر اور مطالب میں ردو بدل انہوں نے اس لیے کیا کہ عیسائیوں کو جواب دیا جائے اور بتایا جائے کہ غزوہ بدر اس لیے نہیں ہوا تھا کہ رسول اللہ ﷺ قریش کے قافلہ تجارت پر حملہ کرنے کی نیت سے نکلے تھے بلکہ اس لیے ہوا کہ خود قریش مدینہ پر حملہ کرنے آئے تھے''۔حکیم صاحب کا یہ اعتراض درست ہے اور غالباً اسی وجہ سے انہوں نے ''اصح السیر'' میں نہ صرف غزوہ بدر بلکہ تمام غزوات نبوی ﷺ پر بھرپور توجہ صرف کی ہے۔(14)

3۔عقل کو معیار بنانے کا غلط مفہوم

عقل کو معیار بنانے کا اگر یہ مطلب ہے ،کہ جو بات عقل وسمجھ سے باہر ہو اس کا انکار کر دیا جائے تو بڑی مشکل ہے معاد کی باتیں اکثر ایسی ہیں جن کا ادراک عقل نہیں کر سکتی ۔حشر نشر ،عذاب قبر، اعمال کا حساب وکتاب، جزا وسزا، جنت و دوزخ ایسی چیزیں ہیں جن کا ادراک صرف عقل سے نہیں ہو سکتا ۔اعتقادات کی اکثر باتیں ہیں جن میں عقل کو دخل نہیں ہے ۔ یہ سب باتیں انبیاء کرام کی تعلیم سے معلوم ہوئی ہیں ۔کیا ان چیزوں کا اس لیے انکار کیا جا سکتا ہے کہ یہ ہماری عقل میں نہیں آتیں۔(15)

بحیرہ راہب والی روایت پر شبلی نے ''سیرۃ النبی'' میں دو اعتراضات کیے تھے۔ اول یہ کہ عبد الرحمٰن بن غزوان اس کے روای ہیں جس کی نسبت اہل فن نے بے اعتباری ظاہر کی ہے اور دوم یہ کہ ابوموسیٰ اشعریؓ اس حدیث کے آخر روای ہیں، وہ واقعہ کے وقت موجود نہ تھے اور نہ یہ بتاتے ہیں کہ انہوں نے یہ کس نے سنا؟ ۔حکم عبد الرؤف دانا پوری ان اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ عبد الرحمٰن بن غزوان مجروح روی نہیں ہیں بلکہ صحیح بخاری کے رواۃ میں سے ہیں۔ اور ابوموسیٰ اشعریؓ کے بارے میں کہتے ہیں کہ بالتحقیق غلط بیانی ان کا قرینہ نہیں ہے۔ممکن ہے انہوں نے یہ واقعہ خود آنحضرتؐ کی زبانی سنا ہو۔ حکیم دانا پوری کے نزدیک صحابہؓ کا بیان حجت ہے (اس کا ایک دلیل سے ان کا اپنا دینی مسلک بھی روشنی میں آجاتا ہے) ۔رہا نسطورا راہب کا قصہ تو وہ ابن سعد نے واقدی سے روایت کیا ہے لیکن ''شرف المصطفٰے'' میں ابی سعید نیشا پوری نے اس سفر کا حال لکھا ہے جبکہ حضرت خدیجہؓ نے میسرہ کے ساتھ تجارت کے لئے آپ ﷺ کو شام بھیجا تھا اور وہ راہب کا نام بھی لکھتے ہیں۔ مگر اس دفعہ بھی راہب کا نام وہ بحیرا لکھتے ہیں۔ ابن مندہ اور ابونعیم نے حضرت ابن عباس سے ایک اور سفر کا حال لکھا ہے کہ اس میں ابوبکرؓ بھی آپ ﷺ کے ساتھ تھے۔ راہب کا نام بحیرا لکھا ہے۔ اصابہ اور اسد الغابہ دونوں میں بحیرا کا حال موجود ہے بلکہ اصابہ میں نسطورا کا حال بھی ہے۔(16)

4۔فہرست مضامین اصح السیر فی ہدی خیر البشر ﷺ

نسب رسول ﷺ ،اجداد وجدات، رسول ﷺ ،اولاد ہاشم، اولاد عبدالمطلب ،عمات النبیؐ ،والدہ ماجدہ ،ولادت اور یتیمی ،رضاعت ،والدہ ماجدہ اور عبدالمطلب کا انتقال، سفر شام اور بحیرہ، دوسرا سفر، خدیجہؓ بن خویلد سے عقد، رسول اللہ ﷺ کی اولاد، قصہ تحکیم، زید بن عمر سے گفتگو، بعثت رسول ﷺ ،سابقین اولین، تعذیب ،آغاز دعوت اور اس کا طریقہ ، دعوت کا دوسرا دور، خواب ابو طالب کے پاس پہلا وفد ، دوسرا وفد،خواب ابو طالب کا اضطراب ،کفار کا تیسرا اجتماع ،کفار کے مظالم، اشاعت اسلام ،حضور ﷺ کو ساحر مشہور کرنا ،حضرت حمزہؓ کا اسلام ،عتبہ کا حضورؐ کے پاس آنا ، کفار کا حضور کے پاس اجتماع ،کفار کا یہود سے مشورہ، استہزاء کا مشورہ ،قرآن پاک

کی کوشش، ابتلاء صحابہ، حبشہ کی طرف پہلی ہجرت، مراجعت و ہجرت ثانیہ، کفار کا حبشہ آدمی بھیجنا، اسلام اور عمر بن الخطاب، کفار کا تحریری معاہدہ، نزول قل یاایہاالکافرون، معاہدہ کا خاتمہ اور بنی ہاشم کا باہر آنا، حضرت طفیل دوسی کا اسلام، قصہ اراشی، رکانہ سے مصارعت، نجران کے عیسائی، آپؐ کے پڑوسی و ہم جوار، عام الحزن، طائف کا سفر، لیلۃ المعراج، تبلیغ میں سعی و کوشش، مقدمہ ہجرت، عقبہ ثالثہ، صحابہ کی ہجرت، دارالندوہ کا مشورہ، ہجرت کا حکم اور ہجرت نبویؐ، عیال رسول اللہ ﷺ، قباء، مواخات اور تنظیم، کفار و مشرکین مدینہ، حکم جہاد و قتال، قبائل یہود، بنو قینقاع، بنو نضیر، بنی قریظہ، کفار کے ساتھ معاملہ، منافقین، مؤمنین صادق، مغازی و سرایا، غزوہ بدر سے پہلے، سریہ عبیدہ بن الحارث، سریہ سعد بن ابی وقاص، غزوہ ودان، غزوہ بواط، غزوہ سفوان، غزوہ ذی العشیرہ، سریہ عبد اللہ بن جحشؓ، غزوہ بدر القتال، ابوسفیان کا انتظام، قریش کا جوش، قریش کی خبر اور مشورہ، سعد بن معاذؓ، حضرت مقدادؓ، ابوسفیان نکل گیا، قریش کی رائے میں اختلاف، ابوسفیان کی صحیح خبر مسلمانوں کو نہ ملی، قریش کے پہنچنے کی خبر، مقامی حالات اور مسلمانوں کی مستعدی، جنگ کی تمہید، حکیم بن حزام اور عتبہ، ابوجہل کی شرارت، معرکہ جنگ حضورؐ کی دعا، امیہ بن خلف، عکاشہ بن محصنؓ، حضورؐ کا اعلان ابو البختری مارا گیا، ابوجہل، کفار کی لعشوں سے خطاب، مراجعت، اصحاب بدر اور شہداء، عثمان بن عفانؓ، ابوالعاص بن الربیعؓ، ایک جماعت جو مقتول ہوئی ہجرت نہ کرنے سے، قیدیوں سے سلوک، غزوات بدر و احد کے درمیان، غزوہ بنی سلیم، غزوہ سویق، غزوہ بنی غطفان، غزوۂ بحران، غزوۂ بنی قینقاع، قتل کعب بن اشرف، غزوۂ احد، شہداء کی تجہیز و تکفین، غسل، کفن، صلوۃ جنازہ، تدفین، سریہ ابوسلمہؓ، سریہ عبداللہ بن انیسؓ، یوم الرجیع، واقعہ بیر معونہ، قنوت نازلہ قنوت فی الفجر، غزوۂ بنی النضیر، غزوۂ ذات الرقاع، بدر ثانیہ، غزوۂ دومۃ الجندل، غزوۂ بنی مصطلق کب ہوا، ام المومنین جویریہؓ، منافقین کی شرارت، قصہ افک، تیمم کے حکم کا نزول، تاریخ غزوۂ خندق، غزوۂ بنی قریظہ، قتل ابورافع، غزوۂ بنی لحیان، سریہ نجد، غزوۂ ذی قرد، بعض سرایا، عکاشہ بن محصن، محمد بن مسلمہؓ بذی القصہ، ابی عبیدہ ابن الجراح بذی القصہ، زید بن حارثہ بنی سلیم، زید بن حارثہ بطرف بنی ثعلبہ، زید بن حارثہؓ بعیص، سریہ زید بن حارثہ بہ حسمی، سریہ علی المرتضیٰؓ بہ فدک،

عبدالرحمٰن بن عوفؓ بدومۃ الجندل، زید بن حارثہ بوادی القریٰ، سریہ کرز بن خالد ۶ہجری، عکل عرینہ، صلح حدیبیہ، بیعت رضوان، تحقیق و تنقید، الصدقہ، بعض معجزات نحر و حلق، فتح مبین، مستضعفین مکہ، غزوۂ خیبر، قلعہ نطاۃ، محمود بن مسلمہؓ، اسود راعی، ایک اعرابی، قلعہ صعب، قلعہ قموص، مرحب یہود، حضرت علیؓ کی جوانمردی، حضرت صفیہؓ کا خواب، ولیمہ اور حجاب، قلعہ زبیر، بقیہ قلعہ جات کی فتح، مخابرہ، فدک، خیبر کی اراضی کی تقسیم، مراجعت اہل حبشہ، زہر دینے کا واقعہ، حجاج بن علاط۔ اس کے بعد احکام تتمہ خیبر سے متعلق از صفحہ ۲۰۲ تا ۲۰۹، متعہ کا حکم، بعض سرایا از صفحہ ۲۱۶ تا ۲۲۱، عمرۃ القضاۃ، نکاح محرم کی فقہی بحث از صفحہ ۲۲۵ تا ۲۳۰، قصہ بنت حمزہؓ، اسلام خالد بن ولید اور عمرو بن العاص، فتح مکہ از صفحہ ۲۴۴ تا ۲۷۷، عام معافی باستثنا چند، عورتیں، حکم اراضی و مقامات مکہ، حد کی بقیہ بحث، غزوۂ حنین واوطاس وطائف، غزوۂ طائف، عاملین صدقہ کا تقرر، بعض سرایا، غزوۂ تبوک وجیش العسرۃ و متعلقات، مسجد ضرار، رسولؐ اللہ کی مسجدیں، متعلق جمیع غزوات و سرایا، کتاب الاموال، زکوۃ کے احکام، غنائم کا حکم، خمس کا حکم، غیر منقولات کا حکم، فئے کے اموال کا حکم، الجزیہ، ہدایا وتحائف، اموال محجورہ، العشر والخراج، حضور ﷺ کے قاصد، رسولؐ کے خطوط ملوک کے نام، صدیق اکبر کا حج، کتاب الوفود، کتاب حجۃ الوداع، غدیر خم کا خطبہ اور مسئلہ امامت، وفات رسولؐ اللہ، متروکات، موالی رسول ﷺ، عورتیں، خدام، موذنین رسول ﷺ، ازواج مطہرات، حجاب یعنی پردہ شرعی، دوسری ازواج۔ ان تمام موضوعات پر پوری تحقیق، تاریخی شواہد اور روایت و درایت کے حوالوں سے منطقی ربط کے ساتھ مدلل اسلوب اختیار کیا ہے۔ (17)

5۔ اصح السیر کے ماخذ

مولانا داناپوریؒ نے اپنی کتاب "اصح السیر" میں قرآن اور صحاح ستہ کے علاوہ درج ذیل کتابوں اور شخصیات کو بطور ماخذ استعمال کیا۔ ابن ہشام، ابن اثیر، ابن قیم، ابن سعد، ابن حجر، ابونعیم، ابن اسحٰق، واقدی، ابومعشر، ابن الکلبی، حمیدی، اسد الغابہ، ابن خیثمہ، موسیٰ بن عقبہ، مصعب الزبیری، عروہ، ابن البرقی، مسلمہ بن محارب، ابن ابی حاتم، بکر بن اسحٰق، ابن عائذ، قاموس طبری، ابن قتیبہ، ابن شاہین، ابن اثیر جزری، موسیٰ بن عقبہ زہری، حاکم، ابن

مندہ، امام ابوحنیفہؒ، امام احمدؒ، امام شافعیؒ، امام مالکؒ، شرح سفر السعادت شیخ، ابن ہمام، دارقطنی، مولانا شاہ عبدالحق، امام محمد، امام ابوجعفر طحاوی کی شرح معانی الآثار، سفیان ثوری، علامہ شامی، حافظ ابوجعفر طحاوی، ابن امیر الحاج، ملا علی قاری، مولانا عبدالحئی، بحرالرائق، علامہ ابن قیم زادالمعاد، ترمذی شریف، بیہقی، ابن مجلز، ابن ابی فدیک، ابوجعفر رازی، عاصم بن سلیمان، امام نووی، صحیحین، اصحاب سنن، قاضی اسمٰعیل بن اسحاق، ابن حزم، مدارج النبوۃ، مواہب لدنیہ، فتح الباری، قاضی عیاض شرح مسلم، روضۃ الاحباب، معارج النبوۃ، ابن حجر عسقلانی فتح الباری، امام زہری، قتادہ، ہشام ابن عروہ، شیخ ابن حجر، ابوالاسود، حاکم وبیہقی، ابوداؤد، ابن عباس، مجاہد، حسن، ابن سیرین، عمر بن عبدالعزیز، امام اوزاعی، امام ابویوسف، ابو عبید، ابن جریر، علامہ عینی، ابوثور، ابن شہاب، امام مکحول، آئمہ اربعہ، جمہور، مازری، مسند امام احمد، موطا امام مالک، ابن مندہ، عروہ بن زبیر، ابن ماجہ، نسائی، ابویعلیٰ، امام ابوجعفر طحاوی، زبیر ابن البکار، امام الیسر محمد بن اسحاق، امام ابوحنیفہ، اسحاق بن راھویہؒ، ابن وھب، ابن حبیب، امام ابن الہمام، ضحاک، قاضی اسمٰعیل بن اسحاق، قاضی شوکانی، ابوعبید بن عبدالسلام، صاحب ہدایہ، شرح ہدایہ، محمد ابن حزم، زید بن مسلم، ابن عساکر، روافض، امام بغوی معالم التنزیل، طاؤس، وہبی، طیالسی، امام اہل السیر والمغازی والاخبار محمد بن اسحاق بن یسار، احمد بن عبد الجبار، امام اوزاعی، ابونعیم، ابوموسیٰ، امام احمد بن حنبل کے صاحبزادے عبداللہ بن احمد، خطیب، ابن تیمیہ، ابن حجر مکی، صواعق محرقہ، حافظ شمس الدین جزری، حافظ ذہبی، ابوداؤد الجستانی، ابوحاتم الرازی، بزاز، علامہ زرقانی، حافظ ابن رجب حنبلی، اسمٰعیل قاضی، مطلب بن عبداللہ، ابن خطب، ترمذی وبزاز، کلاباذی، سلیمان بن ابی مسلم الاحول، سعید بن جبیر، سفیان بن عیینہ، قاسم بن محمد، ابوالاسود، ابن عقیل، خوارزمی، ابو خسف، علامہ سہیلی، سلیمان التیمی، ابن عبدالبر، قلبی، امام رازی، قاضی بیضاوی۔

6۔حدیث وسیرت میں فرق اور اسباب ورود حدیث پر اشارات

"اصح السیر" کے مقدمہ میں لکھتے ہیں کہ "اصحاب حدیث، دراصل تین امور کو جمع کرتے ہیں۔ (۱) رسول اللہ ﷺ نے کیا فرمایا، (۲) رسول اللہ ﷺ نے کیا کام کیا، (۳) رسول اللہ ﷺ کے سامنے یا رسول اللہ ﷺ کے وقت میں کیا کیا گیا؟ اصحاب سیرت بھی انہیں تین

امور کو جمع کرتے ہیں، اس لیے اصل کام دونوں کا ایک ہے، مگر باوجود اس کے دونوں میں بڑا فرق ہے۔ اصحاب حدیث کا مقصود بالذات احکام کو جاننا ہوتا ہے اور رسول اللہ کی ذات سے ان کی بحث ضمناً ہوتی ہے اور اصحاب سیر کا مقصود بالذات رسول اللہ ﷺ کو جاننا ہے، احکام پر ان کے ہاں بحث ضمناً ہوتی ہے۔ اس لیے محدثین کا مدار بحث یہ ہوتا ہے کہ یہ فعل یا قول رسول اللہ ﷺ کا ہے یا نہیں؟ ان کی تمام تر قوت اس تحقیق پر صرف ہوتی ہے کہ اس قول یا فعل کا انتساب رسول اللہ ﷺ کی طرف صحیح ہے یا نہیں لیکن اصحاب سیرت کو یہ بھی کرنا پڑتا ہے اور اس کے سوال اس کے ساتھ دو باتیں اور معلوم کرنی پڑتی ہیں، ایک یہ کہ حضور ﷺ نے کب ایسا کہا یا کیا؟ دوم یہ کہ ایسا کہنے یا کرنے کی وجہ کیا ہوئی؟ گویا اصحاب سیر رسول اللہ ﷺ کے ارشادات و واقعات کا پس منظر اور اس کا شان ورود بھی بیان کرتے ہیں تاکہ واقعات کی وضاحت ہو سکے۔

اصحاب سیرۃ، حضور ﷺ کے اقوال و افعال کو مسلسل اور مربوط بنانے کی کوشش کرتے ہیں اور اس کے اسباب وعلل کو بھی جاننا چاہتے ہیں۔ اصحاب حدیث کہتے ہیں کہ اس کی ضرورت نہیں ہے جب صحت کے ساتھ یہ معلوم ہو جائے کہ یہ فعل رسول اللہ ﷺ کا ہے تو وہ رسول اللہ ﷺ کی سنت اور آپ ﷺ کا طریقہ بن گیا گو یہ نا معلوم ہو کہ رسول اللہ ﷺ نے کب، کس دن اور کس تاریخ کو ایسا کیا یا ایسا فرمایا جس کی بدولت آج کم از کم ایک لاکھ اشخاص کے حالات معلوم ہو سکتے ہیں اور اگر ڈاکٹر اسپرنگر کے حسن ظن کا اعتبار کیا جائے، تو یہ تعداد پانچ لاکھ تک پہنچ جاتی ہے۔ یہ اسپرنگر ہی تھا جس نے "اصابہ" کے دیباچہ میں لکھا تھا کہ "نہ کوئی قوم دنیا میں ایسی گزری، نہ آج موجود ہے، جس نے مسلمانوں کی طرح اسماء الرجال سا عظیم الشان فن ایجاد کیا، جس کی بدولت آج پانچ لاکھ شخصوں کا حال معلوم ہو سکتا ہے" شبلی کہتے ہیں کہ محدثین نے حالات کے بہم پہنچانے میں کسی شخص کے رتبہ اور حیثیت کی پروا نہیں کی۔ بادشاہوں سے لے کر بڑے بڑے مقتداؤں تک کی اخلاقی سراغ رسانیاں کیں اور ایک ایک کی پردہ دری کی۔ تحقیق کا یہ اصول، روایت کہلاتا ہے۔(18)

7۔محدثانہ اصولوں کا اخلاق اور اسلامی کتب مطبوعہ یورپ سے اجتناب

روایات سیرت ،راویان سیرت اور کتب سیرت کی محدثانہ اصولوں کے مطابق تحقیق و تفتیش اور پھر ان کی استنادی بحث مولانا دانا پوری نے اٹھائی ہے "مصنف نے واضح کیا ہے کہ اس نے ابن سعد کی جن روایتوں کا اپنی کتاب میں حوالہ دیا ہے انہیں محض طبقات ابن سعد (19)(مطبوعہ یورپ) کے بھروسہ پر نقل نہیں کیا بلکہ اس کی صرف وہی روایتیں لی ہیں جن کو اصحاب نقل میں سے کسی نے اپنی کتاب میں درج کیا ہے ۔مثلاً زادالمعاد (ابن قیم)(20)، شرح مسلم(نووی)(21)،فتح الباری شرح بخاری(ابن حجر)(22)،عمدۃ القاری شرح بخاری(عینی) (23)اصابہ،اسدالغابہ،شرح مواہب(زرقانی) ارشاد الساری شرح بخاری(قسطلانی) (24)شرح سفرالسعادۃ (عبدالحق محدث دہلوی)اور مدارج النبوۃ (25) (عبدالحق محدث دہلوی)۔اس کتاب کے آخذات ہیں، سیرت ابن ہشام ،زادالمعاد،صحاح ستہ ،تفسیر کبیر (26)امام رازی،تفسیر معالم التنزیل لغوی،تفسیر بیضاوی اور الاتقان(سیوطی) کے نام بھی معروف ہیں ۔الفاظ کی تعریف وتصحیح میں زیادہ تر امداد نہایہ ابن اثیر اور قاموس فیروزآبادی سے لی گئی ہے ۔اور بعض مقامات پر زرقانی کی شرح مواہب، قاضی شوکانی کی نیل الاوطار ،اصابہ ،فتح الباری اور مغنی سے بھی امداد لی گئی ہے۔دانا پوری اصح السیر کے صفحہ نمبر ۱۵ پر لکھتے ہیں :

"طبقات ابن سعد(مطبوعہ یورپ) خودکوئی ایسی کتاب نہیں جس کی ساری روایتیں قابل قبول ہوں۔ تاہم چونکہ یہ پوری کتاب ہمیں یورپ کے واسطہ سے ملی ہے اس کے بھروسہ پر ابن سعد کا حوالہ بھی جائز نہیں ہوسکتا۔ جب تک اس کی سند متن اول کتابوں سے نہ مل جائے۔ حدیث ،سیرت اور تفسیر کی اور کتابیں بھی عیسائیوں نے چھاپی ہیں ۔ان کتابوں کی بھی کوئی سند نہیں ہے ۔اور نہ ان پر اعتماد ہے ان میں سے صرف وہی باتیں قابل قبول ہوں گی جس کی سند اور متن متداول کتب میں مل جائے"۔

8۔نبوی مالیاتی نظام پر عمدہ مباحث

اس کتاب کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس میں احادیث اور فقہ کی مدد سے کتاب

الاموال کو مرتب کیا گیا ہے، کہیں کہیں سیرت کی روایات سے بھی استفادہ کیا گیا ہے اور جن جن مقامات سے ارکان اسلام کا تعلق ہے، وہ بھی بیان کیے گئے ہیں۔ مثلاً حجۃ الوداع کی جزئیات کی پوری تفصیل یہاں درج ہے۔ اس کتاب کی ایک اور خوبی ہے کہ جن فقہی مسائل کا سیرت کے کسی خاص پہلو سے تعلق تھا انہیں اپنے متعلقہ مقام پر ہی حل کیا گیا ہے اور بعض اہم فقہی مسائل پر جامع، مکمل اور مبسوط و مفصل بحث کی گئی ہیں، مثلاً اراضی حرم کا حکم ، نکاح محرم کی بحث، متعہ کی بحث، قنوت نازلہ اور قنوت فجر کے مباحث، خلافت اور امامت کا مسئلہ اور پردہ شرعی کی بحث نہایت مستند اور مدلل ہے۔ (27)

9۔تعلیمات سیرت کا مدلل بیان اور اسرائیلیات سے اجتناب

"اصح السیر" کے موضوعات سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ مصنف نے علم سیرت کو علم فقہ سے مربوط کیا ہے۔ یعنی اس نے اپنی کتاب کو صرف آنحضرت ﷺ کے سوانحی حالات کے تذکرہ تک محدود نہیں رکھا بلکہ آپ ﷺ کی سیرت کو شریعت کی روشنی میں دیکھا ہے اور آپ ﷺ کے لائے ہوئے دین کو عملی مذہب کی حیثیت سے پیش کیا ہے۔ یوں حکیم عبد الرؤف دانا پوری کی یہ کتاب حضور اکرم ﷺ کی زندگی کے مستند واقعات کا مرقع ہی نہیں بلکہ دینی معلومات کی وجہ سے کتاب ایک تحقیقی حوالہ بن گئی ہے۔ مصنف چاہتے تھے کہ قاری نہ صرف حضور ﷺ کی حیات مبارکہ کے چیدہ چیدہ واقعات سے متعارف ہو بلکہ روزمرہ زندگی میں ان شرعی امور سے بھی آگاہ ہو جو اسلام نے ایک عادلانہ معاشرہ قائم کرنے کیلئے بطور ضابطہ حیات پیش کیے ہیں۔ شاید اسی لیے حکیم دانا پوری صاحب نے یہودیوں اور عیسائیوں کی مذہبی کتاب بائبل یا دیگر مذاہب کی کتب مقدسہ یا غیر مسلموں کے اعتراضات کو بالکل اہمیت نہیں دی۔ انہیں اس سے کوئی غرض نہیں کہ دوسرے لوگ اسلام اور بانی اسلام کے متعلق کیا سوچتے اور کیا کہتے ہیں۔ ان کے پیش نظر صرف یہ بنیادی سوال ہے کہ "حضور ﷺ کیا تھے اور آپ ﷺ نے کیا کیا؟"۔ "اصح السیر" اس سوال کے دوسرے جزو کی تفسیر ہے، یعنی حضور ﷺ نے کیا کیا؟ اور کس طرح کیا؟ آپ ﷺ کی ولادت پاک سے وفات تک کے مسلسل حالات کو اسی نقطہ نظر سے پیش کیا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی مجاہدانہ اور مبلغانہ زندگی کا پورا نقش آئینے کی طرح ظاہر ہو جائے۔

آپ ﷺ کی حیات کے **پہلے دور** یعنی پیدائش سے نبوت تک کے حالات چونکہ صحیح روایتوں میں کم ہیں اور اس زمانہ کی بہت سی روایات معجزات کی ہیں، اس لیے مصنف نے ان مباحث کو کتاب کے جزو ثانی کے لئے اٹھا رکھا تھا جو مصنف کی وفات کی وجہ سے نہ لکھا جا سکا۔ (28)

10۔ مکی مدنی زندگی کے واقعات کا تسلسل اور ربط

تاہم موجودہ جلد میں بھی آنحضرت ﷺ کے خاندانی حالات، خانگی زندگی اور عادات و اطوار کی تھوڑی بہت تفصیلات آ گئی ہیں۔ دو امور کی طرف البتہ مصنف نے خصوصی توجہ دی ہے جو عموماً ارباب سیر و حدیث کے درمیان اختلافی رہے ہیں۔ (۱) ورقہ بن نوفل کی پیشین کوئی (۲) بحیرہ نسطور کی روایت۔ مصنف کے مطابق "ورقہ کی پیشین کوئی بخاری کی روایات سے ثابت ہے، اس میں کسی کو کلام نہیں ہو سکتا۔ البتہ بحیرہ کا قصہ ہے اس کو میں نے معجزہ کی حیثیت سے نہیں لکھا۔ صرف یہ دکھلانا مقصود تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شام کا سفر بچپن میں بھی کیا تھا۔ اس سفر کا حال تقریباً تمام اہل سیر لکھتے ہیں اور بحیرہ سے ملنے کا حال بھی لکھتے ہیں، لیکن سب سے بہتر روایت وہ ہے جو ترمذی میں ابوموسیٰ اشعریؓ سے مروی ہے۔ ابن حجر اصابہ میں لکھتے ہیں کہ اس روایت کے رجال سب ثقاہ ہیں، لیکن اس کے آخر میں ایک جملہ ہے جو بالکل لغو ہے۔ وہ یہ کہ ابوطالب نے حضور ﷺ کو واپس کیا اور ابوبکرؓ نے بلالؓ کو آپ کے ساتھ کر دیا۔ یہ لغو اس لیے ہے کہ اس وقت ابوبکرؓ خود کم سن تھے اور بلال حبشیؓ کے پاس نہ تھے۔ ابن حجر کہتے ہیں کہ احتمال ہے کہ راوی نے کسی اور روایت کا جملہ غلطی سے اس میں شامل کر دیا ہے۔ روایت صحیح ہے اور اس جملہ کے سوا اور کوئی بات اس اس میں قابل انکار نہیں ہے۔ مگر میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کس لفظ سے معلوم ہوا کہ بلال سے مراد حبشی موذن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ ممکن ہے کہ کوئی اور بلال بھی ابوبکرؓ کے غلام ہوں اور باوجود کم سنی کے ابوبکرؓ بھی خواجہ ابوطالب کے ساتھ سفر میں گئے ہوں"۔ (29)

آنحضرت ﷺ کی حیات مبارکہ کا **دوسرا دور** بعثت سے ہجرت تک کا ہے۔ اس زمانہ میں رسول اللہؐ اور ان کے رفقاء کو سخت مشکلات پیش آئیں۔ توحید کی صدا بلند کرتے ہی پورا عرب، پورا حجاز، سارے قبائل اور خود آنحضرت ﷺ کا خاندان آپ ﷺ کا دشمن بن گیا۔ اس

زمانے کے واقعات کو صحابہؓ فراموش نہیں کر سکتے تھے۔ لیکن یہ زمانہ ایسا نہ تھا کہ صحابہ کرامؓ بالا ستیعاب تمام واقعات کو جمع کرتے۔ ہجرت حبشہ، سفر طائف اور ہجرت مدینہ مشہور واقعات تھے، اس لیے ان کا تفصیلی ذکر کتب احادیث و سیر میں بھی آتا ہے اور حکیم صاحب نے بھی اپنی کتاب میں کیا ہے۔ انہوں نے مسلمانوں پر مظالم کی داستانوں میں سے صرف انہیں واقعات کو منتخب کیا ہے جن پر اکثر اہل سیر کا اتفاق ہے اور جن کی سند احادیث میں بھی پائی جاتی ہے۔ (30)

مصنف کے مطابق حضور ﷺ کی زندگی کا **تیسرا دور** ہجرت کے بعد سے وفات تک کا ہے۔ اس دور میں آنحضرت ﷺ نے نہ صرف اپنا دفاع کیا بلکہ توحید کی حمایت میں تلوار بھی اٹھائی۔ اس مدت کا ایک ایک واقعہ سیرت کی کتابوں میں آئینہ کی طرح روشن ہے۔ چنانچہ حکیم عبدالرؤف دانا پوری نے بھی اس زمانے کے حالات بے حد تفصیل سے بیان کیے ہیں، البتہ حتی الامکان کوشش کی ہے کہ صرف وہی روایات درج ہوں جو محقق و معتبر ہیں۔ "اصح السیر" کا یہ حصہ یقیناً اہتمام بالشان ہے اور مصنف کی محنت شاقہ کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ (31)

بحیثیت مجموعی "اصح السیر" قدیم وضع کی کتب سیرت میں اعلیٰ مقام کی حامل کتاب ہے۔ اس کے مندرجات اصح ترین روایات سے ماخوذ ہیں۔ بقول مولانا حسن مثنیٰ ندوی، "حکیم عبدالرؤف دانا پوری بڑے حنفی عالم اور مؤرخ ہیں۔ وہ جابجا متعدل انداز سے تحقیق و تشریح کا کام لیتے ہیں اور اپنے استدلال کو روایات سے تقویت پہنچاتے ہیں"۔

11۔ موثر اور عمدہ طرز تالیف

مولانا دانا پوریؒ کو قدرت نے تحریر و تصنیف کا ایک خاص سلیقہ ودیعت فرمایا تھا اور وہ اس خاص وصف میں اپنے تمام معاصرین کے درمیان ممتاز تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی تمام تصانیف میں عموماً اور اصح السیر میں خصوصاً بے ربطی، انتشار اور بے ترتیبی کا شائبہ بھی نہیں گزرتا۔ اصح السیر کا موازنہ اردو کی کسی بھی دوسری کتاب سیرت سے کیا جائے تو مولانا کے سلیقۂ تحریر و تصنیف کا جادو سر چڑھ کر بولتا ہوا نظر آئے گا۔ دانا پوری اپنی کتاب "اصح السیر" صفحہ نمبر

۲۴،۵ پر لکھتے ہیں:

"اسلام سے قبل دنیا کی ایک بڑی لعنت وطنیت بھی تھی۔دنیا میں جس قدر خون ریزیاں ہوئیں اس میں بہت زیادہ حصہ اسی وطنیت کا ہے۔آج بھی جتنی لڑائیاں ہو رہی ہیں وہ اسی وطنیت کی برکت ہے۔وطنیت کا بڑا غلبہ یورپ میں ہے۔اور اسی وجہ سے بہترین علم ،عقل اور فہم کے باوجود ہر وقت سارا یورپ آمادہ پیکار ہے۔اسلام نے وطنیت کی بنیاد اکھیڑ دی تھی ہر ملک میں انسان دو طرح کے ہیں۔اچھے انسان۔اور برے انسان۔تمام دنیا کے اچھے انسان ایک قوم ہیں اور برے ایک قوم"۔

ارشاد ہے ﴿کونو اعباد اللہ اخوانا۔اور فرمایا الکفر ملۃ واحدۃ﴾(32)

جدید عقلاء کو اس سے تسکین نہیں ہوتی۔کیونکہ یورپ میں قومیت کا معیار وطنیت ہی ہے۔بڑے زور شور سے یہ لعنت پھر مسلمانوں کے سر منڈھی جا رہی ہے۔جس لعنت سے دنیا نے بمشکل جزوی نجات حاصل کی تھی وہی پھر دنیا پر مسلط کی جا رہی ہے اور اس کے لیے حب الوطن من الایمان اور اسی طرح کی دوسری من گھڑت حدیثیں شائع کی جاتی ہیں۔انتہائی بے باکی سے اعلان کیا جاتا ہے کہ نعوذ باللہ رسول اللہ ﷺ نے ملکی آزادی کے لیے جہاد کیا۔حالانکہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو مقاتلہ اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے کیا جائے وہی جہاد ہے۔

12۔مغازی پر اردو میں جامع کتاب

اصح السیر مغازی پر اردو میں ایک مختصر مگر جامع کتاب ہے۔مولانا عبدالرؤف ابوالبرکات دانا پوری نے محسوس کیا کہ مغازی کے باب میں مستشرقین نے بہت سے اعتراضات کیے ہیں۔اس لیے انھوں نے مغازی پر خاص توجہ دی اور اردو میں سیرت پر عام طور پر جتنی کتابیں ہیں ان کے مقابلے میں مغازی پر بہت اچھی بحث اس کتاب میں ہے مغازی پر اتنی جامع بحث اردو میں بہت کم کتابوں میں ملتی ہے جتنی مولانا دانا پوری نے کی ہے۔پھر مغازی سے جو سبق نکلتے ہیں یعنی کلیات سیرت پر بھی بہت اچھا مواد فراہم کیا ہے۔کتاب میں کلیات پر بہت مستند مواد دیا ہے اور حدیث کی مستند ترین کتابوں اور شرحوں سے یہ سارا مواد لیا ہے۔دوسری چیز یہ کہ وہ کلامی مسائل سے بھی بحث کرنا چاہتے تھے یعنی نبوت ،معجزات ،معراج پر

مستشرقین کے جو اعتراضات ہیں اس کا جواب دینا چاہتے تھے۔لیکن کتاب کی دوسری جلد لکھنے کا ان کو موقع نہیں ملا۔ہم تک ایک ہی جلد پہنچی ہے اور وہ بہت مستند اور انتہائی معتبر کتاب ہے۔

13۔حوالہ جات میں مکمل احتیاط

دانا پوریؒ حوالہ جات میں بہت زیادہ احتیاط کرتے ہیں۔آپؒ مستند ترین مآخذ قرآن اور احادیث سے معاونت لیتے ہیں ،جہاں ضرورت پڑے وہاں سیرت کے ان واقعات سے رجوع کرتے ہیں جو قرآن اور احادیث صحیحہ کے خلاف نہ ہوں۔شاہ معین الدین احمد ندوی نے دانا پوریؒ کی کتاب اصح السیر کے بارے میں فرمایا:

"بحیثیت مجموعی اصح السیر وضع قدیم کی کتب سیرت میں اعلیٰ مقام کی حامل کتاب ہے۔اس کے مندرجات اصح ترین روایت سے ماخوذ ہیں"۔**بقول حسن مثنیٰ ندوی** "حکیم عبد الرؤف دانا پوریؒ بڑے حنفی عالم اور مورخ ہیں وہ جا بجا معتدل انداز کی تحقیق و تخریج سے کام لیتے ہیں۔اور اپنے استدلال کو روایات سے تقویت پہنچاتے ہیں "(33)

14۔قوت بیان اور ایجاز و اختصار

دانا پوریؒ کا اسلوب سیرت نگاری تحقیق و استدلال پر مبنی ہے وہ اپنی ہر بات کو تحقیقی انداز میں قاری کو سمجھاتے ہیں۔آپ کی تحریر میں مکمل خود اعتمادی ہے ،کیونکہ آپ جو کچھ لکھتے ہیں وہ قرآن اور احادیث صحیحہ کے عین مطابق ہوتا ہے۔دانا پوری سیرت کے عنوان میں اپنی ذاتی رائے پر اصرار نہیں کرتے۔ایجاز و اختصار مولانا دانا پوریؒ کی تحریروں کی بنیادی خصوصیت ہے۔اس سے مراد یہ ہے کہ بڑی سے بڑی بات کو مختصر سے مختصر انداز میں اس طرح بیان کیا جائے کہ قاری کا ذہن بھی فوراً مفہوم کو پا جائے۔دانا پوریؒ کو یہ فن آتا ہے ان کے چھوٹے چھوٹے جملوں میں وہ جہان معنی پوشیدہ ہوتے ہیں جو کئی پیراگرافوں میں بھی نہیں سما سکتے۔بیان کے اختصار کے لئے وہ شاعرانہ وسیلوں سے بھی کام لیتے ہیں۔دانا پوریؒ اپنی مستند کتاب "اصح السیر "میں فرماتے ہیں کہ:

"خدا کا کس طرح شکریہ ادا کروں۔اور اس کے اس انعام کا کن لفظوں میں ذکر کروں کہ آج جناب سرور دو عالم ﷺ کی سیرت کا ایک حصہ پیش کرنے کے لائق ہوا۔یہ میری

زندگی کا سب سے بڑا سرمایہ اور میری محنت کا سب سے بڑا اندوختہ ہے اور خداوند عالم اگر قبول فرمائے تو میری نجات کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔اتنی کثیر تصنیفات کے باوجود مغازی کی ترتیب اور اس کی تمثیل جس قدر مشکل ہے اس سے اہل نظر واقف ہیں ،جو ترتیب مغازی کی میں نے اس کتاب میں رکھی ہے وہ اصح ترین ترتیب ہے اور اہم مواضع اختلاف کے موقع پر میں نے اس کے باوجود دلائل کی طرف اشارات بھی کر دیے ہیں ۔کو طوالت کے خوف سے اکثر تفصیلی مباحث سے اجتناب کیا ہے"۔(34)

15۔مقصدیت اور تہذیبی احساس

آپ ایک صاحب مقصد ادیب تھے۔علماء حق سے تعلق رکھنے والے دانا پوری صاحب نے بھی مسلمانوں کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا۔اس کے لئے سیرت نگاری کو ذریعہ بنایا آپ پکے سچے مسلمان تھے۔بین المسالک ہم آہنگی پر یقین رکھتے تھے۔اصح السیر لکھنے کا بنیادی مقصد واقعات سیرت میں سے ضعیف روایات کو صحیح اور مستند روایات سے الگ کرنا تھا تاکہ سیرت جیسے مقدس اور اہم ترین موضوع پر ایک جامع ،مستند اور اعلیٰ پائے کی تحقیقی کتاب منطقی اور مؤرخانہ ترتیب سے لکھی جا سکے۔

مولانا دانا پوریؒ کی تحریر میں مشرقی مسلمان اور اسلامی تہذیب و ثقافت کی جھلک نظر آتی ہے۔خاص طور پر مسلمانوں کی تہذیب کو برتر ثابت کرنے کے لیے آپؒ نے اپنی تمام تر صلاحیتیں صرف کر دیں۔آپ کا دور مشرقی اور مغربی تہذیب میں شدید تصادم کا دور تھا۔انگریزی تہذیب کی چمک دمک نے عام مسلمانوں کی ہی نہیں بلکہ بڑے بڑے عزت مآب لوگوں کی آنکھوں کو خیرہ کر دیا تھا۔وہ اپنے ماضی کا ذکر کرتے ہوئے شرماتے تھے۔یہ دانا پوری ہی تھے جنھوں نے مسلمانوں کو احساس کمتری سے نجات دلائی۔مسلمانوں کے شاندار ماضی کو سامنے رکھا ۔مسلمانوں کو اسوۂ رسول ﷺ اور صحابہ کرامؓ کا عملی نمونہ اختیار کرنے کی تلقین کی۔آپ ہمیشہ اپنے خطبات میں مسلمانوں کی ملی غیرت کو بیدار کرتے تھے اور فرماتے کہ اسلام حکومت کے لیے نہیں بلکہ حاکمیت کے لیے آیا ہے ،اور اعلاء کلمۃ اللہ کیلئے جہاد فرض ہے۔

16۔تحقیقی اسلوب

دانا پوری کی تحریروں میں ایک خاص محققانہ شان پائی جاتی ہے۔ان کی تصنیف سے ان کے مطالعہ عمیق، تحقیقی اسلوب اور علمی بصیرت کا بھر پور تاثر ملتا ہے۔انہوں نے اپنی تاریخی تنقیدی اور ادبی تصنیفات میں اپنی تحقیقی کاوش کا حق پوری طرح ادا کیا ہے۔مولانا ایک وسیع النظر عالم دین تھے،علمی مباحث میں شرکت کرتے اور علماء کی آرا کا مطالعہ کرتے تھے۔جو ایک بیدار ذہن اور کامیاب محقق کی شخصیت کا حصہ ہوا کرتا ہے۔دانا پوری نے اپنی مشہور تصنیف "اصح السیر "میں جو کچھ بیان کیا ہے،انہوں نے حدیث کی مستند ترین کتب اور ان کی شروحات سے یہ سارا مواد لیا ہے۔اور سیرت کے واقعات امام ابن شہاب زہریؒ عروہ بن زبیرؒ ،سعید ابن المسیبؒ ،علقمہ ابن وقاصؒ ،عبید اللہ بن عبداللہ،امام شعبیؒ ،حسن بصریؒ ،امام مکحول،امام السیر والاخبار محمد بن اسحاق بن یسار ہوسیٰ ابن عقبہ، واقدی محمد بن سعد اور سیرت ابن ہشام سے لیے ہیں۔

17۔کتاب کی عمدہ ترتیب

مصنف نے "اصح السیر" کی ترتیب بھی نئے انداز سے کی ہے۔ان کا خیال تھا کہ عموماً اصحاب سیرت، سنین پر کتاب کو تقسیم کرتے ہیں اور ایک ایک سال میں ہر قسم کے واقعات جمع کرتے ہیں، لیکن اس طریق کار پر اکثر خرابیاں پیدا ہوتی ہیں، خلط مبحث بھی ہو جاتا ہے اور مباحث بھی منتشر ہو جاتے ہیں۔ایک ایک چیز کے لیے مختلف سنین میں مباحث دیکھنے پڑتے ہیں۔پھر یہ بھی ہے کہ جن مصنفین نے سنین کی پابندی کے ساتھ مباحث کو ایک جگہ جمع کرنے کی کوشش کی ہے، وہ فی الواقع سنین کی پابندی بھی نہیں کر سکے۔اسی لیے اپنی کتاب میں حکیم صاحب نے آنحضرت ﷺ کے حالات کو دو حصوں میں تقسیم کرنے کا ارادہ کیا۔پہلے حصے میں (جو موجودہ کتاب پر مشتمل ہے) ولادت سے وفات تک حضورؐ کے حالات ہیں، لیکن یہاں وہی حالات درج کیے گے ہیں جن کا تعلق اسلام کی تبلیغ واشاعت اور اسلامی قوت کی ترقی سے ہے۔ مصنف کے نزدیک یہ حضور ﷺ (مدنی دور) کی مجاہدانہ زندگی ہے۔دوسرے حصے میں (جو لکھا نہ جا سکا) مصنف کا ارادہ تھا کہ آنحضرت ﷺ کی پیغمبرانہ زندگی ہو،یعنی دلائل النبوۃ، معجزات، معراج، شمائل اور سب سے بڑھ کر یہ کہ آپ ﷺ نے دنیا کے سامنے کیا پیش کیا۔یعنی آپ ﷺ کی تعلیمات اور اصلاحات وغیرہ۔وہ چاہتے تھے کہ اس حصے میں ولادت سے وفات تک